ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

"حقیقی آزادی دین کو ترک کرنے میں نہیں بلکہ عوام میں
ایک ایسا انقلابی جذبہ بیدار کرنے میں مضمر ہے جو کسی ظلم اور ناانصافی کو
برداشت نہیں کرتا اور اگر کہیں خرابی پاتا ہے تو اس کی اصلاح کر دیتا ہے
یہی انقلابی جذبہ اسلام کا حقیقی اور امتیازی وصف ہے۔"

(محمد قطب)

اعلان عام

امتحانات، داخلہ، تجدید داخلہ وغیرہ سے متعلق مندرجہ ذیل امور طے ہوئے ہیں۔

☆ ۵/ نومبر ۲۰۰۱ء آخری پرچہ ہوگا۔ طلبا اس کے بعد گھر جاسکیں گے۔

☆ ۱۲/ نومبر ۲۰۰۱ء نتائج کا اعلان کردیا جائے گا۔ بیرونی طلبہ کے نتائج بذریعہ ڈاک بھیجے جائیں گے۔

☆ طلبہ ۸ تا ۱ بجے دن درج ذیل ٹیلی فون نمبر سے اپنی کامیابی، ناکامی یا ضمنی امتحان کی اطلاع لے سکتے ہیں۔

(05466-25149, 40, 60)

مناسب ہے کہ نتائج معلوم کرنے کے لیے اپنے ساتھیوں کی مدد لیں۔ بطور خاص وہ طلبہ جن کو ضمنی امتحان میں آنے کا اندیشہ ہے، ضمنی میں آنے والے طلبہ وطالبات کو مرکزی مکتبہ سے مطلوبہ کتابیں نکلوانے کی سہولت حاصل ہوگی۔

☆ ۷/ شوال / ۲۳/ دسمبر / یکشنبہ تعلیمی سال کا آغاز ہوگا۔

☆ ۱۰/ شوال / ۲۶/ دسمبر / چہارشنبہ چھوٹے ہوئے اور ضمنی امتحانات کی ابتدا ہوگی۔

☆ ۱۰/ شوال / ۲۶/ دسمبر / چہارشنبہ I داخلہ ٹیسٹ ہوگا۔

☆ ۱۴/ شوال / ۳۰/ دسمبر / یکشنبہ II داخلہ ٹیسٹ ہوگا۔

☆ ۱۶/ شوال / یکم جنوری ۲۰۰۲ء / سہ شنبہ تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہوجائے گا۔

نوٹ: ۱۵/ شوال / ۳۱/ دسمبر ۲۰۰۱ء / دوشنبہ تک تجدید داخلہ، اجراء کتب، دارالاقامہ میں تعیین نمبر وغیرہ کی کارروائی مکمل کرائی جائے گی تاکہ ۱۶/ شوال / یکم جنوری ۲۰۰۲ء سہ شنبہ سے مکمل یکسوئی کے ساتھ تعلیم کا آغاز ہوسکے۔ شعبہ ابتدائی میں پہلے دن سے تعلیم کا آغاز ہوجائے گا اور نئے داخلہ کے لئے اساتذہ کے ایک بورڈ سے مدد لی جائے گی۔

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریاگنج

جلد نمبر ۱۷	رجب ۱۴۲۱ھ اکتوبر ۲۰۰۰ء	شمارہ ۱۰

مدیر مسئول	**معاون مدیر**
ابوالمکارم ازہری	انیس احمد فلاحی مدنی

☆ سالانہ زرتعاون: ۵۰ روپے	☆ طلبہ کے لیے: ۴۰ روپے
☆ خصوصی زرتعاون: ۱۰۰ روپے	☆ اعزازی زرتعاون: ۱۰۰۰ روپے
☆ بیرون ملک: ۲۵/ امریکی ڈالر	☆ اس شمارہ کی قیمت: ۷ روپے

◯ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوچکی ہے لہٰذا جلد از جلد سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ مجلہ حیات نو، جامعۃ الفلاح

بلریاگنج، اعظم گڑھ (یوپی) ۲۷۶۱۲۱

Phone:05466-25115

نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ

نقوش حیات نو

○ اداریہ
مدارس کے خلاف بدگمانی کی حقیقت — افتخار الحسن مظہری — ۳

○ ہدایت کے چراغ
سالم بن عبداللہ بن عمرؓ (۲) — ابو طلیس ندوی — ۷

○ اصولی مباحث
فن جرح وتعدیل ایک مختصر تعارف (۳) — ڈاکٹر حافظ احمد امان — ۲۰

○ بحث ونظر
دور کی دعوت میں حکومت الہیہ کا پیغام — مفتی کلیم رحمانی — ۳

○ مذاہب عالم
الحدوث
دھرم شاستر۔ ہندو دھرم میں ذات پات کا نظام — انیس احمد فلاحی — ۲۵

○ فقہ وفتاوی
قرآن خوانی کا حکم
ایک سے زائد رکعتوں میں ایک ہی سورہ پڑھنے کا حکم — ابو ارقم فوزی — ۳۳

○ تعارف
جامعۃ الفلاح کے قیام کے اسباب ومحرکات — مقبول احمد فلاحی — ۳۴

○ تعارف وتبصرہ
علی گڑھ سے دیوبند تک — ابو عبدالرحمن عبدالحق فلاحی — ۴۲

○ جامعہ کے لیل ونہار
ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی کا خطاب عام — ادارہ — ۴۶
جامعۃ الفلاح ویب سائٹ پر
مولانا مودودی سیمینار کی تیاریاں جاری
ایس آئی ایم کے تین ممبران جامعہ سے گرفتار
........اور کارواں بنتا گیا
جامعہ میں افطار کا اہتمام
ادارہ بھی سوگوار ہے
اعلان عام

اداریہ

مدارس کے خلاف بدگمانی کی حقیقت

افتخار الحسن مظہری

اقتدار ہاتھ میں آیا تو مخصوص ذہنیت کے لئے اسلام دشمن جذبات کی تسکین کی راہ کھل آئی۔ مدت دراز سے شاکھاؤں پر جس منصوبہ کے تحت دہشت گردی کی منظم تربیت دی جاتی تھی، اس کے جزوی مظاہر سامنے آنے لگے، اسی منصوبہ کا ایک جز اسلامی مدارس کی بیخ کنی ہے جس کا پہلا تمہیدی قدم مدارس کے خلاف یہ الزام ہے کہ وہ دہشت گردی کی تربیت گاہ ہیں۔

یہ منصوبہ کیا ہے، کیوں ہے اور اسکی حیثیت کیا ہے؟ یہ معلوم ہو جائے تو منصوبے کے مختلف اجزاء میں منطقی ربط کی گرہ بھی کھل جائے اور اسکے ضرر وخطر کی شدت ووسعت بھی اپنے اندازے بتائے۔

کسی گروہ کا منصوبہ دراصل اس کے نصب العین کے حصول کے لئے مرحلہ واری پروگراموں کا مجموعہ ہوتا ہے سنگھ پریوار اپنے ممبران کی اجتماعی شناخت وامتیاز کے لئے پریوار کا لفظ استعمال کرتا ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے نسل پرستی کا غماز ہے، یہی نسل پرستی سنگھ پریوار کا مایہ خمیر ہے وہ برہمن نسل کو تمام دوسری نسلوں سے افضل وبرتر تصور کرتا ہے، اس کا نصب العین اسی برتری کو قائم ودائم رکھنا ہے۔ وہ رام راجیہ کے قیام کی بات کرتے ہیں یہ ہندو راشٹر کے اصطلاحی مقصد میں ایسے نظام حکومت کو قائم کرنا ہے جو برہمن واد ہو، جس میں برہمنوں کو نسلی تفوق وامتیاز اور معاشرتی اختصاصات ومراعات حاصل ہوں۔

اس نسلی تفوق کا طلسم بہت جلد ٹوٹ کر بکھر جائے اگر اس کو شرک کا سہارا نہ ملے، اسی نسل کی کسی شخصیت کے ساتھ اساطیری کہانیاں منسوب کر کے حلول کا عقیدہ نہ قائم کر دیا جائے اور پھر رفتہ رفتہ اس کو بھگوان کا درجہ نہ دے دیا جائے۔

اس مقصد کے لئے برہمنی تاریخ میں رام سے زیادہ موزوں شخصیت کوئی دوسری نہ ہو سکی

تھی اس لئے اسطوری کہانیوں کے ذریعہ اس کی محبت و عظمت کی جڑیں ان میں پیوست کی جاتی رہیں تا آنکہ وہ رام سے بھگوان رام ہوگئے۔

پھر زندگی کی احتیاج و ضرورت انسان کو دوسروں کا دست نگر بننے پر مجبور کرتی ہے، تصور کیجئے کسی مہاجن کے ذریعہ تمام وسائل آمدنی پر ایک نسل قابض ہو جائے تو احتیاج و ضرورت کے تحت حالات میں مفتوح لوگوں کی نگہ امید کس کی طرف اٹھے گی۔ یہ بہترین موقع ہوتا ہے دوسری نسلوں کو غلامی کے شکنجے میں کسنے کا، سود پر رقم کی فراہمی ہمیشہ کے لئے ان کو اپنا غلام اور بندہ بے دام بنانے کا آسان اور خوبصورت ذریعہ تھا۔ نسلی برتری، شرک اور سود یہی تین چیزیں برہمن نسل کی قومی زندگی کا قوام ہیں۔ نسلی برتری کے نظام کا قیام ان کا نصب العین ہے۔

شرک ان کا وہ عقیدہ ہے جو اس نظام کے قیام میں بنیادی کردار کرتا ہے اور سود پر ان کی معیشت کی عمارت قائم ہوتی ہے۔

اسلام ان تینوں چیزوں کو حرام اور قطعی حرام قرار دیتا ہے کیونکہ ان کا اقرار و اثبات اسلام کی اساس و بنیاد کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے مترادف ہے، اسلام بنیادی طور پر اللہ واحد کی بندگی کی دعوت دیتا ہے۔ وہ تمام انسانوں کو یکساں طور پر خدا کا بندہ قرار دیتا ہے۔ وہ دولت کی تقسیم کا ایسا عادلانہ نظام قائم کرتا ہے جس میں سودی ظلم و استحصال کی کوئی گنجائش نہیں۔ ایسی صورت میں سنگھیوں کو صاف طور پر نظر آیا کہ اسلام کے ہوتے ہوئے ان کا منصوبہ پورے طور پر روبعمل نہ آسکے گا۔ اور اگر آ بھی گیا تو اس کے ثمرات و نتائج کما حقہ حاصل نہیں ہو سکیں گے۔ اسلئے اس سنگ گراں کو راستے سے ہٹا دینا ان کے نصب العین کے روبعمل آنے کی اولیں شرط قرار پائی یا یوں کہئے کہ یہ شرط بھی شرک و سود کی طرح ہی ان کے نصب العین کا جزء بن گئی۔ اس شرط کے اجزاء ترکیبی میں جو چیز سب سے پہلے ظہور میں آئی وہ سرسوتی وندنا کا وہ سرکاری حکمنامہ ہے جس کے رو سے تمام مدرسوں اور اسکولوں میں اسے لازمی قرار دیا گیا۔

سرسوتی وندنا سے شروع ہونے والی منصوبے کی اس کارروائی کو منصوبے سے الگ کرکے دیکھا جائے تو یہ ایک فرقے کی اپنے عقیدے سے محض اظہار محبت ہے، لیکن منصوبے کے ایک جزء کی حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ عقیدے کی جبریہ تبلیغ و تعلیم کا خطرناک عمل ہے۔ ضرورت ہے کہ

منصوبے کے اجزاء کو الگ الگ دیکھنے کے بجائے اصل منصوبے کے مرحلہ واری پروگرام کی حیثیت سے بھی دیکھا جائے۔

وزارت سازی کے بعد ان منصوبوں کی تکمیل سے تعلق رکھنے والی جتنی وزارتیں تھیں وہ بی جے پی نے اپنے پاس رکھیں، وزارت کے ان شعبوں کا عام تعارف ہی حاصل ہو جائے تو اصل غایت کو سمجھنے میں کوئی غلط فہمی حائل نہ ہوگی۔

نمبر ۱: وزارت اطلاعات و نشریات:۔

اس شعبہ وزارت کو بی جے پی نے اپنے پاس اسلئے رکھا کہ ذرائع ابلاغ پر اسکا پورا کنٹرول رہے۔ ان کو اہم یا غیر اہم ثابت کرنے میں سہولت ہوگی۔ اس سے ہندو ایجنڈے میں تبلیغ و تشہیر میں اسے تمام سہولیات حاصل ہوں گی اور ساتھ ہی اپنے جھوٹ کو سچ اور دوسروں کے سچ کو جھوٹ ثابت کرنے میں بھی کوئی دشواری پیش نہیں آسکے گی۔ یہاں واقعات کی حسب منشاء توجیہ اور اپنی مصلحت کے مطابق تشریح و وضاحت کے لئے صرف ایک واقعہ کی یاد دہانی کافی ہوگی۔

۲۳ جولائی کی شب ۱ بجے مراد آباد کے ایک مسلم گاؤں میں خاکی نیکر والوں نے گھس کر ایک مسلم خاندان پر ظلم و تشدد کے پہاڑ شروع کر دیے۔ آناً فاناً ۸ افراد کو ہلاک کر دیا جن میں ایک حاملہ عورت اور معصوم بچے بھی تھے۔ سفاکیت و بربریت کے دوران حملہ آوروں نے مہلوکین کے کپڑے اتارے، عصمت دری کی اور لوٹ مار میں ایک درجن سے زیادہ افراد کو بری طرح لہولہان کر دیا۔

ذرائع ابلاغ نے اس واقعہ کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ جبکہ امرناتھ یاترا کے دوران ایک سانحہ پیش آیا تو یہی میڈیا کئی روز تک برابر چیختا چلاتا رہا، کوئی اخبار، ریڈیو اسٹیشن اور ٹی وی چینل ایسا نہ تھا جس نے امرناتھ یاترا کے دوران پیش آنے والے واقعہ سے متعلق خبریں اور تبصرے نہ شائع کئے ہوں۔

نمبر ۲: وزارت فروغ وسائل انسانی:۔

ذرائع ابلاغ کی کارکردگی سے بچے پورے طور پر متاثر نہ ہو سکتے تھے۔ اسلئے سنگھ نے وزارت کے اس شعبہ کو اپنے پاس رکھا تاکہ نصاب تعلیم کی بھگوا کاری کے ذریعہ بچوں کو سنگھی زہر کاری کا پیالہ پلایا جا سکے۔ ساتھ ہی جو زبان سنگھی ایجنڈے کے نفاذ میں ممد و معاون مواد سے مالامال ہو اسکو

لازمی قرار دی جائے اور جو زبان اسلامی میراث کی حامل ہو اسے کالعدم کر دیا جا سکے۔ حکومت اتر پردیش کی جانب سے پرائمری اسکولوں کے لئے جو نصاب تعلیم جاری کیا گیا، اس میں وزارت تعلیم کی جانب سے جو ہدایت نامہ منسلک ہے اس میں سرسوتی کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ لیکن جولائی ۲۰۰۱ء سے جو ہدایت نامہ نصاب تعلیم سے متعلق ہے اس میں اردو زبان کا کوئی تذکرہ ہی نہیں ہے، جبکہ ۱۹۷۳ء سے اردو پڑھائی جاتی رہی ہے۔ پورے صوبے میں ہزاروں معلمین و معلمات ہیں۔

نمبر ۳: وزارت داخلہ کا قلمدان:-

وزارت داخلہ کا قلمدان سنگھ پریوار نے ایسے شخص کے حوالہ کیا جس نے رتھ یاترا کے ذریعہ خاک و خون کا ہولناک منظر دکھا کر مہابھارت کی وہ نئی تاریخ مرتب کی جس نے ہندوؤں کو نہ صرف مسلم دشمنی کا مزید حوصلہ دیا بلکہ شدید مسلم دشمنی کو بیعت سے ہندوؤں کے لئے سرمایہ افتخار بنا دیا۔ پھر رتھ یاترا کے ذریعہ جن لوگوں میں مسلم دشمنی کے شدید جذبات پیدا کئے گئے تھے۔ وہ دن رات شاکھاؤں پر جنگی دہشت گردانہ پریڈ ہو کرتی تھی، ان کو پی اے سی اور فورسیز میں زیادہ سے زیادہ جگہیں دی گئیں تاکہ مسلمانوں کے خلاف ان کے جذبات کا لاوا جب پھوٹے ان کی بھٹیاں جلائی جائیں تو قانون و اقتدار کے سہارے عوامی احتجاج کے خلاف اسے پولیس ایکشن کہہ کر ان کی دہشت گردانہ درندگی و بہیمیت کی پردہ پوشی کی جائے۔ اب سب کو معلوم ہو چکا ہے کہ کانپور کا واقعہ فساد نہیں تھا بلکہ شاکھاؤں پر تربیت پانے والوں کے ذریعہ مسلمانوں کا قتل عام تھا، جن کو وزارت داخلہ نے پی اے سی کی پوسٹ پر سرفراز کیا تھا۔ یہ بات بھی اب سب کے علم میں آ چکی ہے کہ ڈی ایم کو کسی مسلمان نے گولی نہیں ماری تھی بلکہ ان ہی خاکی نیکر والوں کی قانونی دہشت گردی نے اسکی جان لی تھی۔ اسی طرح میرٹھ کے ہاشم پورہ میں بھی فساد نہیں ہوا تھا بلکہ خاکی نیکر والوں نے ستر مسلمانوں کو بے گناہ ٹرکوں میں بھر بھر کر غازی آباد لے گئے اور انہیں گولیوں سے بھون کر نہر میں ڈال دیا۔

عبرت کا مقام ہے کہ نسل پرستی کا بھوت دہشت گردی کا ننگا ناچ دکھا کر اخلاق و انسانیت کا درس دینے والے مدارس پر دہشت گردی پھیلانے کا الزام لگائیں اور انہیں تہس نہس کرنے کی تدبیر کریں اور مدارس کے ارباب حل و عقد میں بے حسی کی کوئی لہر نہ پیدا ہو۔

ہدایت کے چراغ

سالم بن عبداللہؒ
(۲)

ابو جلیس ندوی

حضرت عمرؓ کے کئی فرزند تھے لیکن صرف حضرت عبداللہ ہی ان کی شکل و صورت پر گئے تھے اسی طرح عبداللہ بن عمرؓ کے بھی متعدد لڑکے ہوئے لیکن ان کی شباہت اور کردار و سیرت کا پرتو جمال سب سے زیادہ سالم پر پڑا۔ آیئے دیکھیں کہ فاروق اعظمؓ کا کوہ جلال ان کے پوتے سالم کی شخصیت میں ڈھل کر کتنا دلنواز و دلگیر ہو گیا ہے۔

حضرت سالم بن عبداللہ نے مدینہ کی نورانی فضا میں پرورش پائی جہاں ذرے ذرے کی پیشانی پر مہبط وحی والہام ہونے کا تاج مشرف جگمگاتا ہے۔ جہاں کی مشت خاک بھی رحمت الٰہی کا سونا اچھالتی ہے۔ ایسی فضا میں نشو و نما پا کر عبداللہ بن عمرؓ کی نگاہ تربیت کے زیر سایہ انھوں نے ہوش سنبھالا تو ان کی شخصیت فضل و کمال کا آئینہ بن چکی تھی، اللہ و رسول کی محبت کے اجالوں سے ان کے دل کی دنیا جگمگا اٹھی تھی۔ آخرت کی کامیابی ان کا مقصود و مطلوب بن چکی تھی، اور اللہ کی رضا و خوشنودی ہی ان کا حاصل زندگی ہو چکی تھی، اس لئے دنیا اور دنیا کے لذائذ ان کی راہ نہ روک سکے، گو اس وقت مدینہ دنیا کی امیر ترین بستی تھی، خلفائے بنو امیہ نے مدینہ کو اسباب عیش اور وسائل راحت سے ایسا مالا مال کر دیا تھا، اور دولت و ثروت کے اتنے خزانے وہاں انڈیل دیئے تھے کہ ہر شخص زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کی دھن میں تھا، لیکن سالم بن عبداللہ دنیا کی حقیقت سے آگاہ ہو چکے تھے اس لئے اس پر فریفتہ ہونے کے بجائے اس سے دور بھاگتے رہے اور آخرت کی کامیابی پر ہی اپنی نظر جمائے رہے۔ اموی خلفاء نے بار بار ان کو دولت سے آزمایا لیکن دنیاوی اغراض کبھی ان کو اپنی جانب مائل نہ کر سکے۔

ایک سال ایسا ہوا کہ سلیمان بن عبدالملک حج کے ارادے سے مکہ آئے، طواف قدوم کے دوران ان کی نگاہ سالم بن عبداللہ پر پڑی، جو خانہ کعبہ کے روبرو عجز و فروتنی کی تصویر بنے بیٹھے تلاوت کر رہے تھے، آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں تھا جیسے ان میں کوئی سمندر پوشیدہ ہو۔

طواف سے فارغ ہو کر خلیفہ نے دو رکعت سنت طواف ادا کی اور سالم کے قریب پہنچ کر ان کے گھٹنے سے گھٹنا ملا کر بیٹھ گئے۔ سالم بن عبداللہ پر ذکر الٰہی کی ایسی محویت طاری تھی کہ ان کو خلیفہ کی موجودگی کا کوئی احساس نہ ہوا۔ خلیفہ ان کا انتظار کرتے رہے کہ ان کے آنسوؤں کی برسات تھمے تو کچھ بات کریں۔ تھوڑی دیر بعد موقعہ ملا تو خلیفہ نے سلام کیا۔

سالم نے جواب سلام لوٹایا تو خلیفہ نے چپکے سے کہا کہ کوئی ضرورت ہو تو بتائیں، اس کی تکمیل کی جائے گی۔ سالم نے کوئی التفات نہ کیا۔ خلیفہ کو گمان گذرا کہ شاید وہ ان کی بات سن نہ سکے اس لئے کچھ اور قریب ہو کر وہی بات دوبارہ کہی۔

سالم نے کہا: مجھے شرم آتی ہے کہ اللہ کے گھر میں رہ کر کسی دوسرے سے مدد مانگوں۔

خلیفہ کو یک گونہ ندامت ہوئی، لیکن اپنی جگہ بیٹھے رہے جب نماز ختم ہوئی تو سالم اپنی قیام گاہ جانے لگے۔ ایک بھیڑ ان کے ہمراہ ہو گئی، کوئی کسی حدیث کے بارے میں کچھ پوچھتا، کوئی کسی معاملہ میں مشورہ طلب کرتا، کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو کوئی فتویٰ پوچھتا تو کوئی دعا کی درخواست کرتا۔ اس بھیڑ میں سلیمان بن عبدالملک بھی پہنچ گئے۔ جب لوگوں نے احتراماً ان کے لئے جگہ کشادہ کر دی تو ان کے شانے سے شانہ ملا کر یوں گفتگو کی:

سلیمان ابوعمر! اب ہم مسجد کے باہر ہیں، جو ضرورت ہو بتائیں۔

سالم دنیاوی ضرورت بتاؤں کہ اخروی ضرورت۔

خلیفہ کچھ کشش و پیچ کی کیفیت میں، دنیاوی ضرورت۔

سالم دنیا کا سوال تو کبھی دنیا کے پیدا کرنے والے دنیا کے مالک سے نہیں کیا تو پھر اس سے کیا کروں جو دنیا کا مالک نہیں ہے۔

خلیفہ نے شرمسار ہو کر گردن جھکائی، پھر سلام کیا اور یہ کہتے ہوئے رخصت ہوئے۔ "اللہ اللہ یہ عزتی اولاد اللہ اللہ یہ زہد و قناعت! کیسی شان بے نیازی ہے اللہ برکت دے۔

اس واقعہ سے ایک سال پہلے ولید بن عبدالملک حج کے ارادے سے مکہ آئے، عرفات سے جب مزدلفہ پہنچے تو سالم بن عبداللہ سے ملاقات ہو گئی۔ چونکہ وہ احرام کی حالت میں تھے اس لئے بدن کے کچھ حصے کھلے ہوئے تھے، خلیفہ نے ان کے توانا اور قوی ہیکل اعضاء دیکھے تو ان سے رہا نہ گیا،

پوچھ بیٹھے:

ابوعمر! آپ کیا کھاتے ہیں کہ اتنے تندرست و توانا ہیں؟

سالم میری عام خوراک تیل لگی ہوئی روٹی ہے۔ کبھی کبھار گوشت بھی مل جاتا ہے۔

خلیفہ حیرت و استعجاب میں ڈوب کر، تیل لگی روٹی:

سالم ہاں، تیل لگی روٹی۔

خلیفہ یہ روٹی آپ کیسے کھا لیتے ہیں؟ یہ کیسے آپ کو اچھی لگتی ہے؟

سالم جب اچھی نہیں لگتی تو کئی دن فاقے کر لیتا ہوں پھر خوب اچھی اور مزیدار لگنے لگتی ہے۔

حضرت عمرؓ نے دنیا کی طرف کبھی چاہت کی نظر نہ اٹھائی اس لئے دنیا ان کو کسی معاملہ میں فریب نہ دے سکی۔ وہ ہمیشہ دنیا سے دور اور آخرت کے مشتاق و طلبگار رہے ٹھیک اسی طرح سالم نے بھی دنیا سے بالکل بے نیاز ہو کر زندگی گذاری، دنیا کی دولت و ثروت اور منصب و عشرت ان کے شوق آخرت پر کبھی اپنا کمند نہ ڈال سکی۔ اقتدار و دولت کو خاطر میں لانا تو دور کی بات، انھوں نے ان کو پرکاہ کے برابر بھی اہمیت نہ دی اور اقتدار کی آنکھوں میں کوندتی چمکتی بجلیاں بھی ان کے اعلان حق کے جذبے کی گرمی سے بجھ بجھ گئیں۔ حجاج کی قوت و سنگدلی کو کون نہیں جانتا۔ اس کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر بڑے بڑے سگا و رستم کا زہرہ آب ہو جاتا لیکن سالم کے اعلان حق نے اس کے دلوں کے پتھر بھی موم کر دیئے۔

مسلمانوں کا کوئی معاملہ لیکر ان کو حجاج کے پاس جانا پڑا۔ حجاج نے ان کی خاطر خواہ تعظیم و پذیرائی کی اور اکرام انھیں اپنے پہلو میں بٹھایا۔ اسی دوران حجاج کے پاس چند پابجولاں قیدی لائے گئے، ان کے زرد سوکھے چہرے، غبار آلودہ اور لاغر جسم، الجھے ہوئے پراگندہ بال، ان کی مظلومیت کی روداد غم سنا رہے تھے۔ حجاج نے سالم کو مخاطب کر کے کہا: "یہ باغی ہیں، فتنہ و فساد کی تخم ریزی کرتے ہیں، مسلمانوں کا ناحق خون بہاتے ہیں۔ یہ تلوار لیجئے اور ان کے سر قلم کر دیجئے۔ سالم نے فوراً تلوار اپنے ہاتھ میں سنبھال لی اور ان قیدیوں کے قریب گئے پہلے قیدی سے پوچھا: بتاؤ کیا تم مسلمان ہو؟

قیدی، بحمد اللہ مسلمان ہوں،

سالم تم نے صبح کی نماز ادا کی تھی؟

قیدی میں نے عرض کیا کہ میں مسلمان ہوں آپ پھر بھی دریافت کرتے ہیں کہ میں نے صبح کی نماز ادا کی یا نہیں، کیا کوئی مسلمان ایسا بھی ہوسکتا ہے جو نماز نہ پڑھے، پھر آپ یہ سوال کرکے اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ آپ کو جو حکم دیا جا رہا ہے اس کو کر گذریئے۔

سالم تم میرے سوال کا جواب دو۔ آج صبح کی نماز ادا کی تھی کہ نہیں؟

قیدی ادا کی تھی۔

اس سوال و جواب کے بعد سالم نے حجاج کے سامنے تلوار زمین پر دے ماری اور کہا "یہ شخص مسلمان ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ اس نے آج صبح کی نماز بھی ادا کی تھی۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص صبح کی نماز ادا کرلے وہ اللہ کی حفاظت و پناہ میں آجاتا ہے۔ تو کیا اس شخص کو قتل کیا جائے جو اللہ کی پناہ میں ہے حجاج کی آنکھوں سے شرارے جھلکنے لگے، اس نے گرج کر کہا:

ہم اسے اس لئے نہیں قتل کر رہے ہیں کہ اس نے نماز نہیں ادا کی بلکہ اس لئے قتل کر رہے ہیں کہ اس نے عثمانؓ کے قاتلوں کی مدد کی تھی۔

سالم ابھی وہ لوگ موجود ہیں جو تم سے زیادہ خون عثمانؓ کے حق دار ہیں۔ حجاج کے لب پر جیسے مہر سی لگ گئی۔ وہ غصہ کا گھونٹ پی کر رہ گیا۔

حاضرین مجلس میں سے ایک آدمی مدینہ آیا تو سالم کے والد عبداللہ بن عمرؓ سے ملاقات کی اور بتایا کہ آپ کے صاحب زادے حجاج کی آزمائش سے دوچار ہوئے۔ انھوں نے بڑے اشتیاق سے پوچھا کہ آخر کیا ہوا؟ انھوں نے پورے واقعہ کی تفصیل بتائی تو عبداللہ بہت خوش ہوئے، سالم کو دعائے خیر سے یاد کیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز تخت خلافت پر بیٹھے تو سالم کے پاس ایک خط لکھا کہ "میری مرضی و مشورے کے بغیر خلافت کی ذمہ داری میرے کاندھوں پر ڈال دی گئی ہے آپ دعا کریں کہ اللہ میری مدد فرمائے۔

امور خلافت میں حضرت عمرؓ کے طریقہ کی پابندی کرنا چاہتا ہوں، اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ ان کے احکام و فرامین فرمودات و فیصلے اور معاملات کے تصفیہ میں ان کے طریقۂ کار کی وضاحت فرمائیں اور ان کی سیرت کے خصوصی خاص پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالیں تاکہ میں امور خلافت کی انجام دہی میں ان کو دلیل راہ بنا سکوں۔

سالم نے جواب میں لکھا "یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ آپ امور خلافت کی انجام دہی میں حضرت عمرؓ کے منہاج و اصول کی پابندی کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ بات آپ کے ذہن نشین رہنی چاہئے کہ آپ جس زمانے میں ہیں وہ حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں ہے اور جن لوگوں سے آپ کا سابقہ اور واسطہ ہے وہ بھی ان لوگوں سے بہت مختلف ہیں جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں تھے۔ اس لئے یہ بات پیش نظر رہے کہ آپ کی نیت اور ارادے بالکل بے کھوٹ ہوں تو اللہ ضرور بالضرور آپ کی مدد فرمائے گا اور ایسے کارپرداز آپ کو مہیا فرمائے گا جو راست باز اور حق بیں، حق اندیش، حق پسند اور حق شناس ہوں کیوں کہ جیسی نیت ویسی برکت۔ یہ بات بھی یاد رکھئے اگر کبھی ایسی چیزوں کا جی چاہے جو رضائے الٰہی کے خلاف ہوں تو اپنے پیش رو خلفاء کو یاد کر لیجئے کہ آخر اقتدار چھوڑ کر انھیں دنیا سے جانا پڑا۔ ان کی وہ آنکھیں پھوٹ کے بہہ گئیں جو لذت دید سے ان کو شاد کام کیا کرتی تھیں۔ ان کے وہ پیٹ پھٹ کر ٹکڑوں میں تبدیل ہوگئے جو ان کی لذت کام و دہن کا ناصبور وسیلہ تھے، ان کے شیشے جیسے چمکتے بدن مٹی کے ایسی بدبو گلنے پھیلانے لگے کہ جس سے لوگوں کے دماغ مختل ہو جائیں، باقی اللہ آپ کو سلامت رکھے۔"

یہ واقعات شہادت دیتے ہیں کہ سالم کی زندگی کا گوشہ گوشہ تقویٰ اور پاکبازی کے اجالوں سے روشن و راستبازی اور زہد و قناعت کی تابکاری سے مزین اور طلب آخرت کی آرزو سے جمال افروز تھا۔ انھوں نے ہمیشہ موٹا جھوٹا کپڑا استعمال کیا، روکھا پھیکا کھانا کھایا۔ لیکن رومیوں سے جنگ ہوئی تو فوج میں شامل ہوکر فتح روم میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی ضروریات کی تکمیل، مصائب و مشکلات میں ان کی مدد، روز مرہ کے معاملات میں شفقت و ہمدردی کا ایسا برتاؤ کیا کہ ان کی خبر وفات سن کر مدینہ کا ہر فرد غموں میں ڈوب گیا، بچے بچے کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں، غریب، امیر، چھوٹے بڑے، ہر ایک کے دل فگار ہوگئے۔ اللہ ان کو اپنی رحمت کے گہوارے میں شاداں و فرحاں رکھے۔ وہ فخر آدمیت تھے، ناز انسانیت تھے۔ ☆

بحث و نظر

دور مکی کی دعوت میں حکومت الٰہیہ کا پیغام

مفتی کلیم رحمانی پوسد مہاراشٹر

یہ بات کسی بھی اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے کہ آنحضور ﷺ کی نبوی زندگی کو دو دور سے یاد کیا جاتا ہے، ایک دور مکی اور دوسرا دور مدنی، دور مکی میں آنحضور ﷺ کی پوری کوشش دعوت کے عنوان پر صرف ہوئی گویا یہ دور دعوتی دور شمار ہوتا ہے، لیکن اس دعوتی دور میں آنحضور نے حکومت الٰہیہ کے قیام کے تصور کو کبھی بھی نظروں سے اوجھل نہیں رکھا بلکہ ہمیشہ اس کو سامنے رکھا اور جابجا مخاطبین کے سامنے اس تصور کو پیش بھی کیا، لیکن بد قسمتی سے آج دعوتی عمل سے حکومت الٰہیہ کے قیام کا تصور بالکل نکل چکا ہے، اور ستم ظریفی یہ کہ بہت سے دین کے داعی جو دراصل داعی کم اور دعویدار زیادہ ہیں حکومت الٰہیہ کے تصور کو شجر ممنوعہ سمجھتے ہیں اور المیہ یہ کہ اس کے ثبوت میں آنحضور کے دور مکی کو پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضور نے دور مکی میں حکومت الٰہیہ کا کوئی تصور نہیں دیا تھا۔

اسلئے آج کے ان حالات میں ضروری ہے کہ آنحضور کی دور مکی کی دعوت کے حوالہ سے حکومت الٰہیہ کے قیام کے تصور کو واضح کیا جائے تاکہ دعوتی عمل سے موجودہ فکری جمود و انحطاط دور ہو اور ایک داعی کے ذہن میں ہمیشہ حکومت الٰہیہ کے قیام کا تصور موجود رہے۔ اور اسی تصور کے ساتھ وہ دعوتی سفر طے کرے جس طرح آنحضور نے طے کیا تھا۔ ایک مضمون میں دور مکی کے ان تمام واقعات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا جن سے یہ معلوم ہو تا ہے کہ آنحضورؐ نے دور مکی میں مخاطبین کے سامنے نہ صرف یہ کہ واضح انداز میں حکومت الٰہیہ کے تصور کو پیش کیا بلکہ اس کے قائم ہونے کی خوشخبری بھی دی، بطور مثال چند واقعات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ دور مکی میں جن اہل ایمان کو کفار مکہ نے شدید تکلیفیں دیں ان میں سے ایک حضرت خباب بن ارت بھی ہیں ایک دفعہ انھوں نے آنحضورؐ سے مشرکین کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں کی شکایت کی تو آپؐ نے انہیں صبر کی تلقین کی اور ایک خوشخبری دی نہیں حکومت الٰہیہ کے قائم ہونے کا پیغام ہے، چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے۔

عن خباب ابن الارت قال شكونا الى النبى ﷺ و هو متوسد بردة فى ظل كعبة و لقد لقينا من المشركين شدة فقلنا الا تدعوا الله فقعد و هو محمر وجهه و قال كان الرجل فى من كان قبلكم يحفر له فى الارض فيجعل فيه فيجاء بمنشار فيوضع فوق راسه فيشق باثنين فما يصده ذالك عن دينه و يمشط بامشاط الحديد مادون لحمه من عظم و عصب و ما يصده ذالك عن دينه والله ليتمن هذا الامر حتى يسير الراكب من صنعاء الى حضر موت لايخاف الا الله والذئب على غنمه ولكنكم تستعجلون (بخاری)

ترجمہ: حضرت خباب بن ارت سے روایت ہے کہ ہم نے نبی ﷺ سے مشرکین کی طرف سے پہنچنے والی شدید تکلیفوں کی شکایت کی اس حال میں کہ آپ کعبہ کے سائے میں چادر سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، ہم نے عرض کیا، کیا آپ اللہ سے دعا نہیں کرتے بس آپؐ اٹھ بیٹھے اور آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، اور آپؐ نے فرمایا تم سے پہلے کے لوگوں میں سے ایک شخص کے لئے زمین میں گڑھا کھودا جاتا اور اس میں اس کو ڈال دیا جاتا، پھر اس کے سر کے اوپر آرا رکھ کر چلا دیا جاتا اور اس کے دو ٹکڑے ہو جاتے، لیکن یہ عذاب اس کو اپنے دین سے نہیں پھیر سکا، اور ایک شخص کے جسم پر لوہے کی کنگھی کی جاتی اور کنگھی اس کے گوشت ہڈیوں اور پٹھوں کے درمیان گھس جاتی، لیکن یہ عذاب اس کو اپنے دین سے نہیں پھیر سکا، پھر آپؐ نے فرمایا اللہ کی قسم یہ امر پورا ہو کر رہے گا یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک چلے گا اور وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرے گا یا بھیڑیے سے اپنی بکریوں پر، لیکن تم جلدی کرتے ہو۔

مذکورہ واقعہ اور فرمان رسول میں تین باتیں قابل توجہ ہیں پہلی بات یہ کہ دین اسلام کو پورے طور پر اختیار کرنے کی بناء پر مشرکین کی طرف سے تکلیفیں پہنچنا لازمی چیز ہے خصوصاً اسلام کی مغلوبیت کے دور میں۔ دوسری بات یہ جب مسلمانوں کے دینی سربراہ کے پاس مشرکین کے ظلم و ستم کو روکنے کی طاقت و قوت نہ ہو تو اس سے شکایت کرنا کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے بلکہ وہ خود مشرکین کے ظلم و ستم کو جانتا ہو بلکہ صبر و استقامت کے ساتھ ظلم و ستم کو بھی برداشت کرنا چاہئے، جیسا کہ حضرت خبابؓ نے جب آنحضور ﷺ سے مشرکین کے ظلم و ستم کی شکایت کی تو آپ ﷺ

کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپؐ نے زمانۂ ماضی کی اس سے زیادہ تکلیف کی مثال دیکر انہیں صبر کی تلقین کی اور ان کے اس فعل کو جلد بازی سے تعبیر فرمایا۔ تیسری بات یہ کہ آنحضورؐ نے صنعاء سے حضر موت تک ایک سوار کے بے خوف و خطر گزرنے کی پیشن گوئی کر کے ایک طرح سے حکومت الٰہیہ کے قیام کی خوشخبری سنائی، کیونکہ کسی بھی راستہ کو چور اور ڈاکو سے بالکل مامون، محفوظ بنانا اور راستہ طے کرنے والے کے اندر اللہ کا ڈر پیدا کرنا حکومت الٰہیہ کا ہی کام ہو سکتا ہے، گویا آپؐ کے فرمان کا مطلب یہ تھا کہ اے خبابؓ اگرچہ آج اللہ کے کلمہ کو اختیار کرنے کی بناء پر تکلیفیں دی جا رہی ہیں لیکن آئندہ اسی کلمہ کی بنیاد پر ایسی حکومت قائم ہوگی کہ ہر طرف امن و امان ہوگا اور صرف حضر ہی میں نہیں سفر میں بھی دور دراز کا راستہ طے کرنے والے کو اللہ کے علاوہ کسی انسان کا ڈر لاحق نہ ہوگا یعنی وہ حکومت الٰہیہ کے زیر سایہ راستہ طے کر رہا ہوگا۔ اور پھر مزید یہ کہ آنحضورؐ نے مذکورہ فرمان میں کلمہ کی تکمیل کو واضح کرنے کیلئے لفظ امر کا استعمال فرمایا اور لفظ امر عربی زبان میں حکومت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس سے مذکورہ فرمان رسولؐ میں حکومت الٰہیہ کا پیغام روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی مذکورہ فرمان سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ حکومت الٰہیہ کے تصور و قیام کے بغیر دین اسلام کی تکمیل نہیں ہوتی کیونکہ آنحضورؐ نے مذکورہ فرمان میں تکمیل دین کو حکومت الٰہیہ کے قیام پر منحصر فرمایا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی کے پاس دین اسلام کا تصور حکومت الٰہیہ کے تصور کے بغیر ہے تو اس کے پاس دین کا ناقص تصور ہے، اسی طرح اگر کسی کے پاس دینی جدوجہد حکومت الٰہیہ کے قیام کے منصوبہ و مشن کے بغیر ہے تو یہ ایک ناقص دینی جدوجہد ہے۔

مذکورہ واقعہ و فرمان رسولؐ پر ان لوگوں کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے جو دین کو حکومت الٰہیہ کے تصور سے خالی رکھتے اور سمجھتے ہیں اور حکومت الٰہیہ کے تصور کی مخالفت کرتے ہیں۔

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے قرآن میں جس غلبہ دین کا حکم دیا ہے اس سے مراد صرف دینی فکر و اخلاق کا غلبہ ہے، دینی سیاست و قوت کا غلبہ اس میں شامل نہیں ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے جس غلبہ کا حکم دیا ہے اس سے مراد دینی سیاست و قوت کا غلبہ ہے اور یقیناً اس میں دینی فکر و اخلاق کا غلبہ بھی شامل ہے لیکن یہ غلبہ بھی دینی سیاست و قوت کے غلبہ سے قائم ہوتا ہے، دینی سیاست و قوت کے غلبہ کے بغیر دینی فکر و اخلاق کا غلبہ قائم ہو ہی نہیں سکتا۔

آنحضورؐ دینی سیاست و قوت کے غلبہ کیلئے کتنے فکر مند و کوشاں رہا کرتے تھے آپ کی ایک دعا سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے جو دور حاضر سے تعلق رکھتی ہے، دعا کا پس منظر یہ ہے کہ جب دور مکی میں ایمان والوں پر مشرکین مکہ کا ظلم و ستم بہت زیادہ بڑھ گیا تو آنحضورؐ کی یہ خواہش ہوئی کہ مکہ والوں میں سے کوئی طاقتور شخص ایمان قبول کرے تاکہ اس کی طاقت سے ایمان والوں کو تقویت پہنچے اور مشرکین مکہ آزادی کے ساتھ اہل ایمان پر ظلم و ستم نہ کر سکیں، اس وقت مکہ میں دو ایسے نوجوان تھے جو بہت طاقتور شمار ہوتے تھے اور مکہ والوں پر ان کا رعب و دبدبہ تھا ان میں سے ایک عمر بن خطاب تھے اور دوسرا ابو جہل تھا جس کی کنیت ابو الحکم تھی، آنحضورؐ نے ان دونوں میں سے ایک کی ہدایت کیلئے دعا کی، چنانچہ آپ کی یہ دعا سیرت کی ایک معروف و مستند کتاب، سیرت ابن ہشام میں درج ہے۔

اللھم اید الاسلام بابی الحکم بن ھشام او بعمر ابن خطاب۔

(سیرت ابن ھشام جلد ۱ صفحہ ۳۷۹)

ترجمہ: اے اللہ اسلام کو مضبوطی عطا فرما ابو الحکم بن ھشام یا عمر بن خطاب کے ذریعے چنانچہ آپ کی دعا عمر بن خطابؓ کے حق میں قبول ہوئی اور حضرت عمرؓ ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے، حضرت عمرؓ نے جب اپنی بہن فاطمہؓ کے گھر ایمان قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا تو حضرت خبابؓ بن ارت نے حضرت عمرؓ کو اسی وقت اللہ کے رسولؐ کی اس دعا کی خوشخبری سنائی تھی۔

اللہ کے رسولؐ کی مذکورہ دعا سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام میں ظاہری طاقت و قوت کی کتنی اہمیت ہے کہ سید المرسلین حضرت محمدؐ اس کے حصول کے لئے دعا کر رہے ہیں۔ کچھ مسلمان روحانی طاقت و قوت کا نام لیکر اسلام کی ظاہری طاقت و قوت کو تسلیم نہیں کرتے اس کے حصول کو بیکار قرار دیتے ہیں۔ روحانی طاقت و قوت کا خبیث فلسفہ دراصل دشمنان اسلام کا ایجاد کردہ ہے، اور یہ فلسفہ انہوں نے اس لئے ایجاد کیا تاکہ مسلمانوں کو اس کے فریب میں مبتلا کر کے ان کے اندر سے جذبہ جہاد اور عمل جہاد کو ختم کیا جا سکے، اسلام میں روحانی طاقت و قوت کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے، اسلام میں جس طاقت و قوت کا وجود ہے وہ اہل ایمان کی ایمانی پختگی اور جسمانی و جنگی طاقت و قوت ہے اور اللہ کی مدد و نصرت، اور اللہ کی مدد و نصرت بھی دراصل اہل ایمان کی ایمانی پختگی اور جسمانی و جنگی طاقت و قوت کے استعمال کے بعد شامل حال ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے

قرآن میں مدد و نصرت کے متعلق ایک اہم اصول بیان فرمایا ہے۔ ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم (محمد ۷) اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جما دے گا۔

دور مکی کا واقعہ ہے جب مشرکین مکہ نے دیکھا کہ طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانے کے باوجود آنحضورؐ مسلسل اپنا کام کئے جا رہے ہیں اور دن بدن ایمان والوں میں اضافہ ہو رہا ہے تو کفار مکہ نے آنحضورؐ کو چند چیزوں کی پیش کش کی اس شرط پر کہ آپ دین اسلام لوگوں کے سامنے پیش کرنا بند کر دیں۔ ان چیزوں میں سے ایک سرداری تھی، آپ ﷺ نے ان کا جواب یوں دیا۔ یا عم واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علیٰ ان اترک ھذا الامر حتی یظہرہ اللہ او اھلک فیہ ما ترکتہ (سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۲۸۱)

"اے چچا قسم ہے اللہ کی اگر یہ میرے دائیں ہاتھ میں سورج رکھ دیں اور میرے بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اس شرط پر کہ میں اس امر کو چھوڑ دوں تب بھی میں اس کو چھوڑنے والا نہیں ہوں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو غالب کر دے یا اس میں میں ہلاک ہو جاؤں"۔

مذکورہ واقعہ سے معلوم ہوا کہ دور مکی میں بھی اللہ کے رسول ﷺ کے پیش نظر غلبہ دین تھا اور غلبہ دین کا مطلب حکومت الٰہیہ کا قیام ہے۔ اور مذکورہ فرمان رسول سے حکومت الٰہیہ کا تصور اس لئے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ آپؐ نے لفظ امر استعمال فرمایا اور لفظ امر عربی میں حکومت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ کچھ نادان لوگ مذکورہ واقعہ و فرمان رسول کو بنیاد بنا کر حکومت الٰہیہ کی اہمیت کو گھٹاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دین اسلام میں اگر حکومت و سرداری مطلوب ہوتی تو محمد رسول کفار مکہ کی پیش کش کو قبول فرما لیتے۔ کاش کہ یہ نادان مذکورہ پیش کش و فرمان رسول کی حقیقت پر ذرا بھی غور کرتے تو خود ان کا ضمیر ان کی نادانی پر ماتم کرتا۔

پیش کش کی حقیقت یہ ہے کہ آپ کو سرداری کی یہ پیش کش دین کی پوری دعوت سے باز آنے کے بدلے کی گئی تھی، اور دین اسلام اپنے ماننے والوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ دین کی صرف ایک بات سے باز آنے کے بدلے بھی کسی حکومت کا تخت و تاج مل رہا ہو تو اسے ٹھکرا دیا جائے۔ اور پھر مزید یہ کہ کفار مکہ نے آپ کو جس حکومت کی پیش کش کی تھی وہ انسانوں پر انسان کی حکومت کی پیش کش تھی۔

اور محمدؐ جس حکومت کا پیغام اپنے ساتھ لائے تھے وہ انسانوں پر انسانوں کے خالق و مالک کی حکومت کا پیغام تھا جسے حکومت الٰہیہ کہتے ہیں۔

غرض یہ کہ آنحضور ﷺ کا کفار مکہ کی حکومت کی پیش کش کو ٹھکرا دینا اس سے حکومت الٰہیہ کی اہمیت میں ذرا بھی کمی واقع نہیں ہوتی، بلکہ مزید بڑھ جاتی ہے کیونکہ آنحضورؐ نے صرف پیش کش ٹھکرائی ہی نہیں اس کے ساتھ یہ اعلان بھی کر دیا کہ میں اس امر یعنی حکومت الٰہیہ کے قیام کی جدوجہد سے باز آنے والا نہیں ہوں یہاں تک کہ اللہ اسکو غالب کر دے یا میں اس جدوجہد میں ہلاک ہو جاؤں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام جس حکومت کا پیغام لیکر آیا ہے وہ حکومت کسی غیر الٰہی حکومت کا انجن یا ایندھن پہیہ اور پرزے نہیں بن سکتی، بلکہ وہ خود اللہ کی ہدایت کی روشنی میں اپنا انجن، ایندھن پہیے اور پرزے تیار کرتی ہے اور خود ہی اس حکومت کی گاڑی کا ڈرائیور تیار کرتی ہے جس کو دینی اصطلاح میں امیر المؤمنین یا خلیفۃ المسلمین کہتے ہیں۔

اللہ کی نظر میں بڑی قدر و منزلت والے ہیں وہ ایمان والے جو حکومت الٰہیہ کی گاڑی کو تیار کریں اور اسکو چلائیں اور بڑے خوش نصیب ہیں وہ اہل ایمان جنہیں حکومت الٰہیہ کی گاڑی کی سواری نصیب ہو۔ اور اللہ کی نظر میں بڑے ملعون و مبغوض ہیں وہ لوگ جو حکومت الٰہیہ کی گاڑی کی تیاری میں رکاوٹ ڈالیں اور اس کو زمین پر چلنے نہ دیں، اور بڑے بد نصیب ہیں وہ اہل ایمان جو حکومت الٰہیہ کی گاڑی میں سوار ہونے کے بجائے باطل حکومت کی گاڑی میں سوار ہو چکے ہیں۔

دور مکی کا واقعہ ہے، جب حج کے دنوں میں مختلف قبائل کے لوگ مکہ آیا کرتے تو حضورؐ ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرتے، ایک موقع پر آپؐ نے قبیلہ بنی عامر کے سامنے دعوت پیش کی اور چونکہ مکہ میں حالات بہت کشیدہ تھے اس لئے ان کے سامنے اپنی پناہ کا معاملہ بھی پیش کیا۔ ان میں سے ایک شخص فراس بن عبد اللہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا اگر میں اس قریشی جوان کو لے لوں تو اس کے ذریعہ پورے عرب پر غالب آجاؤں، پھر اس نے آپؐ سے کہا پھر یہ بتاؤ اگر تمہارے پیش کئے ہوئے دعوے پر ہم بیعت کر لیں اور اللہ تمہیں ان لوگوں پر غلبہ دیدے جو تمہاری مخالفت کر رہے ہیں تو کیا تمہارے بعد حکومت ہمیں ملے گی؟ آپؐ نے فرمایا الامر الی اللہ یضعہ حیث یشاء (یعنی حکومت کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے دے گا) اس شخص نے کہا ہم تمہاری

حفاظت کے لئے اپنے گلے عرب کے تیروں کا نشانہ بنائیں اور جب اللہ تمہیں فتح نصیب کرے تو حکومت ہمیں ملنے کے بجائے دوسروں کو ملے، ہمیں تمہاری ضرورت نہیں۔

(سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۴۲۷)

مذکورہ دعوتی واقعہ میں تین اہم باتیں قابل توجہ ہیں۔ سب سے پہلی یہ کہ آنحضورؐ دین کی دعوت ایسے انداز میں پیش کرتے تھے کہ پہلی مرتبہ سننے والے پر بھی یہ بات واضح ہو جاتی تھی کہ اس دعوت میں حکومت کا تصور اور اس کا تحمل بھی ہے، چنانچہ فراس بن عبد اللہ نے پہلی ہی دعوت سے یہ اندازہ لگا لیا کہ محمدؐ جس دین کی دعوت پیش کر رہے ہیں وہ اپنے اندر غلبہ اور حکومت کا بھی تصور رکھتا ہے، اسی لئے اس نے یہ دین قبول کرنے کیلئے یہ شرط پیش کی کہ آپؐ کے بعد حکومت ہمیں ملے۔ اگر دین اسلام میں حکومت وغلبہ کا کوئی تصور نہ ہوتا تو آنحضورؐ اس کی اس شرط پر فرما دیتے کہ میں جو دین لیکر آیا ہوں اس کا غلبہ اور حکومت سے کوئی تعلق نہیں لیکن آپؐ نے ایسا نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام پہلے ہی دن سے اپنے اندر حکومت وغلبہ کا تصور رکھتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ حکومت الٰہیہ کا سربراہ کسی کا جانشین نہیں ہوتا بلکہ وہ اہل ایمان کی مرضی سے منتخب ہوتا ہے جیسا کہ فراس بن عبد اللہ نے جب یہ شرط پیش کی کہ آپؐ کے بعد حکومت ہمیں ملے تو آپؐ نے اسے مسترد فرما دیا۔

تیسری بات یہ کہ حکومت الٰہیہ کے قیام کا کام کوئی پھولوں کی سیج نہیں ہے بلکہ کانٹوں بھرا راستہ ہے، جیسا کہ فراس بن عبد اللہ نے جب یہ کہا کہ ہم آپؐ کی حفاظت کیلئے اپنے گلے عرب کے تیروں کا نشانہ بنائیں تو آپؐ نے اس کے اس خیال کی تردید نہیں فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکومت الٰہیہ کو قائم کرنے والے افراد کو مسلح مقابلہ کیلئے بھی تیار رہنا چاہیے۔ مذکورہ باتوں پر ان اہل ایمان کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے جو دعوت کے بعد بھی دعوتی عمل میں حکومت الٰہیہ کا تصور پیش نہیں کرتے۔ اور ان اہل ایمان کو بھی غور کرنا چاہیے جو حکومت الٰہیہ کے سربراہ سے متعلق جانشینی کا تصور رکھتے ہیں، اور ان اہل ایمان کو بھی غور کرنا چاہیے جو حکومت الٰہیہ کے قیام کے لئے مسلح مقابلہ کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

حکومت الٰہیہ کا اسلام سے کتنا گہرا تعلق ہے تیرہویں صدی ہجری کے ایک جلیل القدر

عالم دین ومصنف علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تحریر سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے جو آپ نے اپنی معروف کتاب سیرت النبی کی ساتویں جلد میں تحریر فرمائی ہے، چنانچہ اس جلد کے صفحہ ۳ کی عبارت قارئین کی خدمت میں من وعن پیش ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلام جس دن سے مذہب بنا اسی دن سے وہ سلطنت بھی ہے اس کی مسجد اس کا دیوان، اس کا منبر اس کا تخت تھا، اسلام کے جن بدگمان دشمنوں نے یہ سمجھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے پہلے مذہب کی دعوت پیش کی، جب وہ کامیاب ہوئے اور جنگجو عربوں کا ایک گروہ ساتھ ہو گیا تو آپ کو سلطنت کے قیام کی فکر ہوئی ان کا یہ خیال سراسر اسلام کی حقیقت سے ناآشنائی پر مبنی ہے، ایسی بادشاہی اور سرداری تو خود قریش کے رئیس آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس شرط کے ساتھ پیش کر رہے تھے کہ وہ ان کے بتوں کو برا نہ کہیں لیکن آپؐ نے ان کی اس درخواست کو ہمیشہ ٹھکرا دیا کیونکہ آپ کی دعوت کا مقصود محمد رسول اللہ ﷺ کی انسانی بادشاہی نہ تھی بلکہ روئے زمین پر خدائے واحد وبرحق کی بادشاہی کا قیام تھا، اسی لئے اسلام دین ودنیا اور جنت ارضی اور جنت سماوی اور آسمانی بادشاہی اور زمین کی خلافت کی دعوت لیکر اول دن سے پیدا ہوا، اس کے نزدیک عیسائیوں کی طرح خدا اور قیصر دو نہیں ہیں، ایک ہی شہنشاہ علی الاطلاق ہے جس کے حدود حکومت میں نہ کوئی قیصر ہے اور نہ کوئی کسریٰ اسی کا حکم عرش سے فرش تک جاری ہے اور وہی آسمان پر حکمران ہے اور وہی زمین پر فرمانروا ہے۔

وھو الذی فی السماء الٰہ وفی الارض الٰہ (الزخرف ۔ ۱۰) (اور وہی ہے جو آسمان میں اللہ ہے اور وہی زمین میں بھی اللہ ہے) وہ دیویوں اور دیوتاؤں اور نمرودوں اور فرعونوں کو ایک ایک کر کے ان کے استھانوں اور ایوانوں سے نکالنے کے لئے آیا تھا اور اس بات کی منادی کرتا تھا کہ آسمان و زمین دونوں میں ایک ہی خدا کی حکومت ہوگی، اس کے آسمان میں نہ کوئی دیوی ہوگی نہ دیوتا ہوگا اور اس کی زمین پر کوئی قیصر ہوگا اور نہ کسریٰ، جو اس دعوت کی راہ کا روڑا بنے گا اس کو راستے سے ہٹایا جائے گا اور جو اس کو روکنے کے لئے تلوار اٹھائے گا وہ تلوار سے گرایا جائے گا۔ (منقول سیرت النبیؐ جلد ۷ صفحہ ۳)

واضح رہے کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی عرف مولانا علی میاں کے استاذ ہیں۔

اصولی مباحث

فن جرح وتعدیل ایک مختصر تعارف (۳)

ڈاکٹر عاطف احمد امان

کلیۃ الشریعۃ، جامعۃ قطر

راوی کے مقبول ہونے کی شرطیں:

کسی راوی کے معتبر ہونے کے لئے اس کا عادل وضابط ہونا ضروری ہے۔

(۱) راوی کی عدالت: کسی بھی راوی کے عادل ہونے کے لئے درج ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔ اسلام: یعنی راوی کا مسلم ہونا چنانچہ کسی کافر کی روایت بالاجماع نہیں لی جائے گی کیونکہ جب فاسق کی خبر غیر مقبول ہوتی ہے تو کافر کی تو بدرجہ اولیٰ مردود ہوگی کیونکہ کفر فسق سے بڑا گناہ ہے۔

۲۔ راوی کا بالغ ہونا: چنانچہ کسی بچے سے روایت نہیں لی جائے گی البتہ اگر کوئی بچہ کمسنی میں کسی واقعہ کا عینی شاہد یا سامع ہو اور بلوغت کے بعد وہ اسکی روایت کرے تو اس صورت میں اسکی روایت معتبر ومقبول ہوگی چنانچہ جمہور صحابہ اور تابعین نے صغار صحابہؓ سے اس قسم کی روایات قبول کی ہیں نیز اہل علم کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ علم وروایت کی مجلسوں میں بچوں کو لے کر آیا کرتے تھے۔

۳۔ عاقل ہونا: کسی مجنون یا ایسے شخص کی روایت غیر مقبول ہوگی جس پر وقفہ وقفہ سے جنون طاری ہوتا ہو۔

۴۔ فسق اور خوارم مروت امور سے سلامت: مروت ایسے نفسانی آداب کا نام ہے۔ جو اپنے حامل کو شریعت کے آداب کا پاس ولحاظ رکھنے اور سلف صالحین کی پیروی کرنے پر آمادہ کرے۔ مروت کو متاثر کرنے والی چیزیں دو ہیں۔

الف: ایسے چھوٹے چھوٹے گناہوں کا ارتکاب جو اس کی دناءت پر دلالت کرے۔ جیسے معمولی و حقیر اشیاء کی چوری۔

ب: ایسے مباح امور کا ارتکاب جو انسان کی شرافت وکرامت کو متاثر کرنے والی اور عوام کے دلوں

میں اس کے تئیں نفرت پیدا کرنے والی ہو۔ عام راستوں میں پیشاب کرنا، ادب کے دائرے سے خارج فحش ومذاق کرنا۔ نبی اکرم ﷺ نے کامل مروت والے کی تعریف یوں بیان کی ہے۔ "جو لوگوں سے معاملہ کرتے ہوئے ظلم نہ کرے اور گفتگو کرتے ہوئے جھوٹ نہ بولے، وعدہ کرتے ہوئے وعدہ خلافی نہ کرے تو اسکی مروت مکمل اور عدالت ظاہر ہوگئی اور اس اخوت کا اظہار واجب اور غیبت حرام ہوگئی۔

عدالت راوی کے اثبات کے ذرائع:

اثبات عدالت کے متفق علیہ ذرائع درج ذیل ہیں۔

۱۔ علماء جرح وتعدیل یا ائمہ سے کسی ایک کا اپنی کتابوں میں راوی کی عدالت کا ذکر فرمانا، بشرطیکہ وہ راوی غیر معروف ہو۔

۲۔ راوی کی عدالت کا مشہور وعام ہونا۔ چنانچہ اہل علم کے درمیان جن راویوں کی عدالت مشہور ہو اور انکی امانت ودیانت کا عام چرچا ہو تو ایسے راویوں کی عدالت علماء جرح وتعدیل کی تنصیص کی محتاج نہ ہوگی۔ جیسے امام ثوریؒ، ابن عیینہؒ، امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، امام شافعیؒ، امام لیثؒ، امام حمادؒ، داؤد، ابن معینؒ، عبداللہ ابن المبارکؒ، المدینیؒ وغیرہ۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ سے اسحاق بن راھویہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اسحٰق جیسے راویوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اور ابن معینؒ سے ابو عبید القاسم بن سلامؒ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ کیا مجھ جیسے شخص سے ابو عبید کے متعلق پوچھا جائے گا۔ ابو عبید سے دوسروں کی عدالت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

مشہور ہونے سے مراد چند مخصوص لوگوں کا اس راوی سے روایت کرنا نہیں ہے بلکہ شہرت سے مراد اپنے فضل وکمال، دیانت وامانت اور تقویٰ کی بناء پر راوی کا علماء کے درمیان مشہور ہونا ہے۔

مختلف فیہ وسائل:

راوی کی عدالت کے مختلف فیہ وسائل درج ذیل ہیں

۱۔ ان محدثین کا جن کا منہج صرف صحیح روایتوں کو اپنی کتابوں میں ذکر کرنا ہو کسی راوی سے روایت کرنا اسکے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔ خصوصاً امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی۔ چنانچہ ان دونوں نے جس روایت کی اپنی کتابوں میں تخریج کر دی گویا اسکے راوی نے پل پار کر لیا۔ البتہ بعض اہل علم نے اس قسم کے مصادر میں مذکور بعض راویوں پر جرح کی ہے۔

۲۔ ان محدثین کا جن کا شیوہ صرف ثقہ راویوں سے روایت کرنا ہو کسی راوی سے روایت کرنا اسکے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔ بعض اہل علم نے انکی مخالفت کی ہے، چنانچہ انکے نزدیک ایسے راویوں کے احوال کی تحقیق و تفتیش ضروری ہے۔

۳۔ حدیث کا حامل ہونا راوی کے معتبر ہونے کی دلیل ہے۔ ارشاد رسول ﷺ ہے۔ "اس علم کی روایت ایسے قابل اعتماد ایسے عادل راوی کریں گے جو غلو پسند حضرات کی تحریف اور باطل پرستوں کے کذب و افتراء اور جاہلوں کی تاویل سے اس علم کو پاک و صاف کریں گے"۔

یہ قاعدہ بھی بعض علماء کے نزدیک غیر مستند ہے انکے نزدیک حدیث کا صحیح مفہوم یہ ہے عادل راویوں کو اس علم (یعنی روایات کا علم) کا حامل ہونا چاہئے۔ حدیث کا مذکورہ بالا مفہوم اس لئے صحیح نہیں ہے کہ بعض حاملین حدیث واقعتہً غیر عادل بھی پائے جاتے ہیں اور خصوصاً متاخرین میں تو ایک اچھی خاصی تعداد پائی جاتی ہے۔

دوسری شرط:

راوی کا حافظ و متقن ہونا:

کسی بھی راوی کے معتبر اور اسکی روایت کے مقبول ہونے کے لئے اس کا عادل ہونے کے ساتھ ساتھ ضابط ہونا بھی ضروری ہے۔ ضبط کی دو قسمیں ہیں۔

الف: ضبط صدر:۔ یعنی راوی کا اپنی مرویات کو سماع کے وقت ہی اپنے سینے میں اس طرح محفوظ کرنا کہ جب وہ چاہے اسے بیان کر سکے۔ امام ابو حنیفہؒ نے اس سلسلے میں یہ شرط بھی لگائی ہے کہ تحمل کے وقت سے لے کر روایت کی ادائیگی کے وقت تک راوی برابر اس روایت کو اپنے سینے میں محفوظ رکھے ہوئے ہو۔ ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں، کوئی راوی روایت نہ کرے مگر انہیں احادیث کی جنہیں وہ جانتا ہو

اور جو اسکے سینے میں ثبت ہوں۔

شعیب بن عبد العزیز فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ سے پوچھا کہ کیا علم روایت اس ثقہ راوی سے لیا جائے گا جو اس کا حافظ نہ ہو؟ تو آپ نے جواب دیا کہ نہیں، میں نے کہا اگر وہ اپنی کتاب نکال کر فرمائے کہ یہ میری مسموع روایت ہیں تو کیا اس صورت میں اس سے روایات کا لینا صحیح نہیں ہوگا تو آپ نے جواب دیا اس صورت میں بھی اس سے روایات کا لینا صحیح نہیں سمجھتا کیونکہ اسکی کتاب میں دوسروں کی جانب سے حذف و اضافہ کا امکان ہے۔

ابن عبد البرؒ نے "الانتقاء" میں ابو یوسفؒ کا یہ قول نقل کیا ہے، کہ امام ابو حنیفہؒ صرف انہیں روایات کی روایت کو جائز سمجھتے تھے جنہیں راوی نے اپنے شیخ سے سننے کے بعد اپنے سینے میں محفوظ کر لیا ہو۔

ب: ضبط کتاب: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی کتاب یا سماع کے وقت سے روایت تک اپنی کتاب کی کسی بھی قسم کے خلل کے آنے سے محفوظ رکھے اور کسی ایسے شخص کے حوالے نہ کرے جسکی جانب سے کتاب میں رد و بدل کر دیئے جانے کا اندیشہ ہو۔

علماء حدیث صرف انہیں صالحین سے روایت کرتے تھے جو عدالت کے ساتھ ساتھ صفت ضبط سے بھی متصف ہوں اور ایسے صالحین جو صفت ضبط سے متصف نہ ہوں ان سے روایت نہ لیتے تھے۔ ربیعہ بن ابی عبد الرحمن کہتے ہیں۔ "ہمارے بعض ساتھی اتنے متقی و پرہیزگار ہیں کہ ہم انکی دعاؤں سے برکتوں کی امید رکھتے ہیں لیکن اگر وہ کسی معاملہ میں گواہی دیں تو ہم انکی گواہی قبول نہ کریں گے"۔

یحیی بن سعید القطانؒ کہتے ہیں "بعض افراد کو میں انکی امانت و دیانت کی بنا پر ایک لاکھ درہم کا امین بنا سکتا ہوں لیکن صفت ضبط سے متصف نہ ہونے کی بنا پر میں ایک حدیث کے معاملہ میں ان کو امین نہیں بنا سکتا"۔

روایت کی تحقیق کے بارے میں مذکورہ بالا منہج اسلامی منہج کا نمایاں اور ابھرا ہوا پہلو ہے۔ ابو الزناد لکھتے ہیں "میں نے مدینہ منورہ میں سو ایسے افراد کو پایا جو سب کے سب صالح اور نیک تھے لیکن ان سے روایات نہیں لی جاتی تھیں کیونکہ وہ روایت کے اہل نہ تھے"۔

امام ابوالمجرۃ فرماتے ہیں "حدیثیں درج ذیل چار قسم کے لوگوں سے نہیں لی جائیں گی۔

کسی ایسے بدعتی سے جو اپنی بدعت کی جانب لوگوں کو دعوت دینے والا ہو اور نہ کسی ایسے احمق سے جس کی بیوقوفی مشہور ہو خواہ وہ کتنا ہی متقی اور پرہیزگار کیوں نہ ہو۔ اور نہ ہی کسی ایسے شخص سے جو لوگوں سے گفتگو کرتے ہوئے جھوٹ بولتا ہو اور نہ ہی کسی مشہور و معروف ایسے عابد و زاہد سے جو روایات کے مفاہیم و معانی سے ناواقف ہو۔

ضبط راوی کی معرفت کے طریقے:

راوی کی صفت ضبط کا پتہ اسکی روایات کے دیگر ثقہ و معتبر راویوں کی روایت سے موافق ہونے سے پتہ چلے گا۔ شاذ و نادر مخالفت کا اعتبار نہ ہوگا۔ لیکن اگر کثرت سے مخالفت ہونے لگے تو ان کا ضبط ختم ہو جائے گا اور وہ قابل استدلال باقی نہ رہے گا۔

چنانچہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس نے فلاں محدث یا فلاں صحابی سے یہ معین روایت یا فلاں زائد کلمہ سنا ہے اور یہ روایت دوسروں کے یہاں اور خصوصاً محدث کے خاص شاگردوں کے یہاں نہ پائی جائے تو روایت کے موضوع ہونے کا حکم لگایا جائے گا اگر راوی غیر ثقہ ہو، اور اگر ثقہ ہو تو وہم و خطا کا حکم لگایا جائے گا۔ یہ منہج محدثین کے یہاں قدیم زمانے سے ہی رائج رہا ہے چنانچہ وہ روایت پر وہم و خطا کا حکم اس روایت کے ثقہ راویوں کی روایات کے مخالف ہونے کی بناء پر لگاتے ہیں۔

صفت ضبط کا پتہ راوی کے حفظ کا اسکی کتاب کے مقارنہ و موازنہ سے بھی ہوگا۔ پس اگر حفظ و کتاب باہم موافق ہوں تو اس راوی کے حفظ و اتقان کی شہادت دی جائے گی۔ اور اگر اس کا حفظ اسکی کتاب سے میل نہ کھائے تو اسکا رتبہ گر جائے گا۔ ابو خیثمہ لکھتے ہیں کہ یزید بن ہارون پر محض اس بناء پر محدثین تنقید کرتے ہیں کہ جب وہ نابینا ہو گئے تو اپنی باندی کے ذریعے اپنی کتاب میں مذکورہ احادیث کی تلقین کرواتے اور پھر انکی روایت کرتے، نیز ضبط کی معرفت کا ایک اہم ذریعہ راوی کا امتحان بھی ہے جیسا کہ امام بخاری کے ساتھ بغداد میں یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ علماء بغداد نے سو حدیثیں الٹ پلٹ کر بیان کیں اور امام بخاریؒ نے سو حدیثوں کی سماعت کے بعد ایک ایک حدیث کو اسکی صحیح سند تک پہنچا دیا جس پر تمام ہی محدثین نے بالاتفاق آپ کے حفظ و اتقان اور ضبط کی گواہی دی۔

صفت ضبط میں کمی و بیشی ہوتی رہتی ہے چنانچہ اگر راوی اعلیٰ درجہ کی صفت ضبط سے متصف ہو تو اسکی روایت صحیح، اور اگر اس میں کچھ کمی ہو تو اسکی حدیث حسن کہلائے گی۔

مذاہب عالم

ہندو دھرم

دھرم شاستر (DHARM SHASTRA)

دھرم شاستر کے معنی قانون کی کتابیں، یہ دراصل ہندو فقہ کی کتابیں ہیں، ان کتابوں میں انفرادی اور اجتماعی زندگی، خاندانی رسوم، سماجی رسم و رواج، جرائم کی سزائیں اور رعایا اور بادشاہ کے حقوق و احکام بیان کیے گئے ہیں۔

مذہبی کتابوں کی تعداد

ہندو فقہ کی کتابیں کافی زیادہ تھیں جس میں زیادہ تر ضائع ہو گئیں صرف ۱۹ کتابیں باقی رہ گئیں، جن میں منوسمرتی کافی مشہور ہے، سمرتی کے معنی شریعت اور یادگار کے آتے ہیں۔

سمرتیوں کا موضوع: فقہ کی جملہ کتابیں درج ذیل تین عناوین پر مشتمل ہوتی ہیں۔

۱۔ انسانی زندگی کے چاروں مراحل کے احکام۔

۲۔ حدود و جنایات۔

۳۔ شرعی احکام کی خلاف ورزی کرنے والے ہندوؤں کی سزا کا بیان۔

منوسمرتی: منو طوفان نوح کے بعد روئے زمین پر آنے والے پہلے انسان ہیں جن سے پھر نسل انسانی کا سلسلہ چلا، بعض محققین کے نزدیک منو اس راہب اکبر کا نام ہے جو قربانیوں کو قبول کرتے تھے اور جن کا زمانہ ۱۰۰۰ تا ۶۰۰ ق م ہے۔

منوسمرتی کے اغراض تالیف

اس کتاب کی تالیف کے درج ذیل اہم مقاصد تھے۔

۱۔ بدھ مذہب کی مساوات کی تعلیم اور دیگر خصوصیات کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ نچلی ذاتیں اور شودر گروہ در گروہ بدھ مذہب میں داخل ہو رہے تھے، برہمنوں نے اس سے باز رکھنے کے لئے سخت اقدامات کی ضرورت محسوس کی جو منوسمرتی کی شکل میں سامنے آئی۔

۲۔ اس کا ایک مقصد بودھ مذہب کا مقابلہ کرنا بھی بتایا جاتا ہے۔

۳۔ شودر نسل اور نسل شودر ہی رہے تاکہ برہمنوں کی بالادستی ہمیشہ قائم رہے واضح رہے کہ پیدائش ہی کو معیار بنا کر منوسمرتی ذات کا تعین کرتی ہے اور جس میں برہمن کو افضل ٹھہرایا گیا ہے اور خصوصی اختیارات دیئے گئے ہیں۔

۴۔ سماج میں نظم و ضبط کو قائم رکھنا بھی اس کا ایک اہم مقصد تھا۔

اجزاء کتاب کا تعارف

منوسمرتی بارہ ابواب پر مشتمل ہے اور اس میں ۲۶۹۴ اشعار ہیں، باب اول میں تخلیق کائنات، کائنات میں زندگی کے وجود کی کیفیت، قیامت کا وقوع اور پھر پورے عالم کے ہمیشہ ہمیش کے لئے فناء ہو جانے کا بیان ہے۔

باب ثانی میں برہمچریہ آشرم کے احکام بیان کئے گئے ہیں، باب ثالث: نکاح کے احکام اور اسکی قسمیں، باب رابع: گرہست آشرم کے احکام، ویدانت کے احکام کی اتباع اور برے اعمال سے اجتناب کا تذکرہ۔

باب خامس: زوجین کے احکام، وفادار عورت کے ثواب کا بیان۔

باب سادس: ترک دنیا کے احکام، ویدانت کا مطالعہ اور اسکے معانی پر غور و فکر۔

باب سابع: سلاطین کے احکام: حدود کی اقامت، قائدین کے احکام۔

باب ثامن: عدلیہ کا بیان، جھوٹی خبروں کی اشاعت پر سزاؤں کا بیان۔

باب تاسع: سلاطین کے احکام، مرد و عورت کے حقوق و احکام۔

باب عاشر: ہندو معاشرہ میں چاروں طبقات کے فرائض۔

گیارہواں باب: سادھوؤں کی رہبانیت۔

بارہواں باب: قانون جزاء کی قسمیں، آواگون کے چکر سے نجات کا طریقہ۔

منوسمرتی عقل کے میزان پر

منوسمرتی پر درج ذیل زبردست اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

۱۔ ذات پات اور طبقاتی نظام کی بنیاد، منو نے ذات پات کے نظام کو مضبوط بنیادیں فراہم کیں اور حقیقت میں انہوں نے انسانوں کے بیچ تفریق کی اور انکی تفریق کی کہ دوسرے انسانوں یعنی شودروں کو انسانی حیثیت سے بہت کمتر سمجھا اور انکے لئے سماج میں حقوق نہ ہونے کے برابر رکھے اور پھر ان قوانین اور اصولوں کو مذہبی حیثیت دے دی جسکے اثرات آج تک ہندو سماج پر پائے جاتے ہیں۔

۲۔ جرائم کی سزاؤں میں معاشرتی و طبقاتی تقسیم کا لحاظ۔

منو نے اپنی کتاب میں معاشرتی تقسیم کا لحاظ جرائم کی سزاؤں میں بھی کیا ہے مثال کے طور پر زنا کی سزا ملاحظہ ہو۔

"برہمن کھشتری ویش کی عورت شوہر وغیرہ سے محفوظ ہو یا نہ ہو اس سے زنا کرنے والے شودر کا عضو تناسل قطع کریں، تمام دولت چھین لیں اور قتل کی سزا دینی چاہیے۔(منو ۸۔ ۳۷۴)

"اگر ویش محفوظ برہمنی سے جماع کرے تو اسے ایک سال تک جیل خانے میں قید کیا جائے گا۔ اس کے بعد اس کا سب مال چھین لیا جائے گا اور اسی جرم میں کھشتری ہزار پن انڈے اور گدھے کے پیشاب سے مونڈ منڈوائے"۔(منو ۸۔ ۳۷۵)

شوہر وغیرہ سے محفوظ برہمنی کے ساتھ جماع کرنے والے برہمن کو ہزار پن کی سزا ہے، برہمنی کی خواہش سے جماع کرنے والے برہمن کو پانچ سو پن انڈ دینا چاہئے۔(۸۔ ۳۷۸)

اسی طرح منو نے صراحۃ لکھا ہے کہ سزائے قتل کا نفاذ برہمن پر نہ ہوگا۔(۸۔ ۳۸۰)

۳۔ وراثت سے متعلق منو کا قانون بھی عقل، فطرت، اور عدل کے خلاف ہے۔

منوسمرتی میں ہے "ماں باپ کی تمام دولت بڑا لے، چھوٹا اور منجھلا بھائی سب سے بڑے بھائی سے اوقات گذاری کریں، جس طرح والدین سے پرورش پاتے تھے۔(منو ۹: ۱۰۵)

ظاہر ہے اس قانون سے ایک طبقہ امیر ہو جائے گا اور دوسرا غریب سے غریب تر۔

ہندو دھرم میں ذات پات کا نظام

آریہ دھرم اپنے ماننے والوں کو چار طبقات میں تقسیم کرتا ہے۔ رگ وید میں ہے "اللہ تعالیٰ نے برہمنوں کو اپنے منہ سے اور چھتری کو اپنے بازو سے اور ویش کو اپنی ران سے اور شودر کو اپنے پاؤں سے پیدا فرمایا ہے۔ (۱۰/۹۰/۱۲)

منو سمرتی میں ہر طبقہ کے وظائف و فرائض الگ الگ تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ شودروں کو سب سے نچلے طبقہ میں رکھا گیا ہے اور انسانیت کے جملہ اوصاف و خصائل سے انہیں محروم کرنے کی کوشش کی گئی ہے بلکہ منو کی شریعت میں ان کا مقام حیوانوں سے بھی بدتر رکھا گیا ہے کیونکہ گائے کی تو عبادت اور پوجا کی جاتی ہے جبکہ شودروں کی اہانت کی جاتی ہے۔ چنانچہ چندوگیہ اپنشد میں انہیں چنڈال (یعنی نجس، حقیر شخص) سے مخاطب کیا گیا ہے۔ (۵/۱۰/۷)

اور بعض مذہبی کتابوں میں تو سرے سے اس طبقہ کا تذکرہ ہی نہیں کیا گیا ہے۔ آریوں نے ذات پات کے اس نظام کو اس لئے وضع کیا تاکہ ہندوستانی اقوام پر تغلب و تسلط ہمیشہ برقرار رہے اور پھر اس نظام کو تنقید سے بالاتر کرنے کے لئے انہوں نے اس کی مذہبی بنیادیں فراہم کر دیں، تاکہ کوئی تنقید کی جرأت نہ کر سکے اور اس طبقاتی نظام کی اتنے عمدہ اور خوبصورت انداز میں تشریح کی گئی کہ مفتوح و مغلوب اقوام کے دلوں میں فاتح آریہ کے تعلق سے نفرت و عداوت کے جذبات کے بجائے احترام و تقدیس کا جذبہ پیدا ہو گیا اور خدا کی قسم یہ انسانی تاریخ کا عجیب و غریب واقعہ ہے۔

طبقہ برہمن کے وظائف و فرائض۔

۱۔ برہمنوں کی اہم ترین ذمہ داری ویدوں کی تعلیم حاصل کرنا اور دوسروں کو اسے سکھانا ہے
(منو سمرتی باب ۱۰/۱)

۲۔ برہمنوں کو جملہ طبقات پر سیادت کا حق حاصل ہے۔ (۱۰/۳)

۳۔ برہمن ہر حال میں احترام و تقدیس کا مستحق ہے خواہ وہ خلاف مروت امور ہی کو کیوں نہ انجام دے۔

۴۔ جس طرح آگ بڑے معبودوں میں سے ایک ہے اسی طرح برہمن بھی ہندوؤں کے بڑے معبودوں میں سے ایک اہم معبود ہے۔ (۹/۷/۳۰)

۵۔ برہمنوں کے لئے سب سے افضل عمل ویدوں کی تعلیم حاصل کرنا، اور چھتری کا وطن کا دفاع کرنا اور ویش کا تجارت کرنا ہے۔ (۱۰/۸۰)

۶۔ تنگی و محتاج ہونے کی صورت میں برہمن کے لئے بھیک مانگنا جائز ہے بلکہ دوسروں کے اموال کو بھی اپنانا بھی جائز ہے۔ (۱۰/۱۰۲، ۱۰۳)

۷۔ اگر کسی برہمن کے چاروں طبقات سے چار بیویاں ہوں تو اس کے انتقال کے بعد اس کی میراث کے دس حصے کئے جائیں گے۔ برہمنیہ عورت تین حصہ، چھتری عورت دو، ویش عورت دو اور شودر عورت صرف ایک حصہ کی حقدار ہوگی۔ (۹/۱۵۱، ۱۵۲)

۸۔ برہمن خواہ کتنا ہی بھیانک جرم کیوں نہ کرے حاکم اسے قتل یا اس کے اموال کی قرقی نہیں کر سکتا البتہ اگر مناسب سمجھے تو جلاوطن کر دے۔

۹۔ دس سال کا بھی برہمن دوسری ذات کے سو سال کے فرد کے نزدیک بھی اس کی احترام و تقدیس رکھے۔ (۲/۳۵)

چھتری اور ان کے فرائض:

چھتریوں کو راجپوت بھی کہا جاتا ہے۔ راجپوت مملکت راجپوتانہ کی جانب نسبت ہے جو سندھ سے لے کر آگرہ تک اور جنوبی پنجاب سے لے کر گولیار کے درمیان واقع ہے۔ ہندوستان کے زیادہ تر سورما اسی نسل سے ہوئے ہیں۔ راجستھان کے عظیم صحراء اور اس کے آس پاس رہنے کی وجہ سے یہ لوگ مضبوط اور توانا ہوتے ہیں۔ لاہور، دہلی، قنوج اور بیودھیا کی مشہور مملکتیں گزری ہیں۔

آریوں نے ان کی طاقت و قوت کو دیکھتے ہوئے اور داخلی انقلاب پر قابو پانے کے لئے انہیں اپنا ہمنوا و مددگار بنایا، کیونکہ راجپوت جسمانی لحاظ سے طاقتور اور ذہنی لحاظ سے کمزور ہوتے ہیں اس طرح آریوں نے ہندوستانی طاقتوں پر اپنے قبضہ کی راہوں کو ہموار کیا اور اپنی بقاء و تحفظ کی ضمانت فراہم کر لی۔

چھتری کے فرائض:

بادشاہ چھتری خاندان سے ہوگا۔

۲۔ صرف وہی راجپوت بادشاہ، قائد، قاضی، اور امیر ہو سکتے ہیں جو وید کی تعلیمات سے واقف ہوں اور جنکے دل و دماغ پر وید کی تعلیمات حق کی حکمرانی ہو۔

۳۔ بادشاہ کے لئے اس برہمن کے اموال کو لینا جائز نہ ہوگا جو لاوارث مر جائے جبکہ وارث نہ ہونے کی صورت میں دیگر طبقات کے افراد کے اموال کو لینا جائز ہوگا۔

۴۔ بادشاہ چور کے ہاتھ کٹوانے کے بعد اسے تختۂ دار پر لٹکا دے۔

۵۔ فیصلہ میں رشوت لینے والے کے جملہ اموال ضبط کر لئے جائیں گے۔

۶۔ حکومت کو ویش کے اموال تجارت سے ۱/۸ اور زراعت سے نصف عشر لینے کا حق حاصل ہے۔

ویش اور انکے فرائض:

طبقہ ویش کو تورانی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ اصلاً ترکستان اور توران کے رہنے والے تھے، ہزاروں سال پہلے ہجرت کر کے یہ ہندوستان آئے انکے درمیان اور ہندوستان کے اصل باشندوں کے درمیان خوب بڑے معرکے جاری رہے جسمیں تورانیوں کو فتح اور ہندوستانیوں کو شکست نصیب ہوئی۔ آریوں نے یہاں آنے کے بعد راجپوتوں کی طرح تورانیوں سے بھی صلح کر لی، تورانیوں کے زراعت سے واقف ہونے کی بناء پر آریوں نے انھیں تجارت و زراعت سونپ دی۔

فرائض:

۱۔ ویش زراعت و تجارت اور مویشی پالن کا کام کریں گے۔ (۳۲۸/۹)

۲۔ رزق کے حصول کی ناکامی کی صورت میں ویش کے لئے برہمنوں کی خدمت کر کے زندگی گزارنا جائز ہوگا۔ (۹۸/۹)

۳۔ شادی کے بعد ہر ویش پر روزی کمانا فرض ہوگا۔

۴۔ طبقہ ویش کے لئے جواہرات، موتیوں، مونگوں، معدنیات، کپڑے اور عطور کی قیمتوں سے واقفیت واجب ہوگی۔

۵۔ ترازو اور ناپ کے برتنوں، بیجوں اور زمین کے صالح و فاسد سے واقفیت بھی ویش کی ذمہ داری ہوگی۔

مختلف زبانوں سے واقفیت، تجارت کے طریقوں اور اسالیب، خرید و فروخت کے اصول،

قوانین سے واقفیت بھی طبقہ ویش کے لئے ضروری ہے۔

۶۔ اپنے اموال میں اضافہ کے لئے جملہ مشروع طریقوں سے کوشش کرنا اور جملہ مخلوقات کو کھانا کھلانا ویش پر واجب ہوگا۔

طبقہ شودر:

یہ ہندوستان کے اصل اور قدیم باشندے ہیں آریوں سے ایک ہزار سال تک برسرِپیکار رہے اور بالآخر آریوں کو ان پر فتح نصیب ہوئی اور یہ گرفتار ہو کر کے اچھوت بنا دئے گئے اور انکی ایک بڑی تعداد جنوبی ہندوستان اور پہاڑوں پر جا بسی۔ آریوں نے انکے دلوں سے شریفانہ زندگی گزارنے کا جذبہ بھی نکال دیا اور منو نے اپنی شریعت میں انتہائی حقیر و خسیس فرائض انھیں عطا کئے۔

فرائض:

۱۔ نجس و ناپاک شودروں پر واجب ہے کہ وہ گاؤں کے باہر رہائش اختیار کریں۔ مٹی کے برتن استعمال کریں، گدھے اور کتے انکے اموال ہوں، مُردوں کے کفن انکے کپڑے اور لوہے کے زیورات ہوں، ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا اور رات میں گاؤں اور شہروں میں گھومنا انکے لئے حرام ہے۔ ان کا لین دین اور تبادلہ صرف اپنے ہی لوگوں کے ساتھ ہو۔ (۵۳/۵۱/۱۰)

۲۔ کسی شودر کے لئے ضرورت سے زائد اموال رکھنا جائز نہ ہوگا کہ اس سے برہمنوں کو تکلیف ہوگی۔ (۱۲۹/۱۰)

۳۔ برہمن کی خدمت شودر کو جنت کا حقدار بنا دے گی۔ (۳۳۴/۹)

۴۔ برہمن کی خدمت سے ملنے والے اجر پر اگر شودر کا گزر مشکل ہو رہا ہو تو وہ دوسرے طبقات کی بھی خدمت کر سکتا ہے البتہ افضل یہ ہوگا کہ وہ برہمن کی خدمت ہی پر صبر کرے تاکہ جنت پا سکے کیونکہ شودر کا سب سے افضل عمل یہی ہے۔ کسی شودر کے لئے دینی امور میں مداخلت کا حق حاصل نہ ہوگا۔ (۱۲۳_۱۲۲_۱۲۱/۱۰)

۵۔ برہمنوں کی خدمت کرنے والے شودر دوسرے جنم میں اعلیٰ ذات میں پیدا ہوں گے۔ (۳۳۵/۹)

۶۔ اگر کوئی شودر کسی برہمن سے انتقام لینے کی کوشش کرے تو حاکم اسے دردناک سزا دے۔ (۳۲۸/۹)

۷۔ شودر عورت سے پیدا ہونے والا برہمن کا لڑکا وراثت کا حقدار نہ ہوگا۔ (۹/۱۵۵)

۸۔ شودروں کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی کام کے لئے پیدا فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ بلا مال محسوس کئے ہوئے تینوں طبقات کی خدمت کرتا رہے۔ (۱/۹۱)

منو کی شریعت میں شودروں کے لئے کوئی مقام نہیں وہ انہیں بالذات نجس وناپاک او کمینہ سمجھتا ہے اور شریف آریہ قوم کو ان سے کامل پرہیز کا حکم دیتا ہے۔

۹۔ شودر کا کھانا روحانی نور کو زائل کردیتا ہے۔ (۴: ۲۱۸)

۱۰۔ جس شخص نے چنڈال کو چھولیا وہ صرف نہانے سے پاک ہوسکتا ہے۔ (۵: ۸۵)

مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ منو شودروں کو بالذات نجس وناپاک اور کمینہ سمجھتا ہے اور معاشرت میں شریف آریہ قوموں کو ان سے کامل پرہیز کا حکم دیتا ہے نیز انکے نزدیک شودر کا پیدائشی اور فطری وظیفہ ہی یہ ہے کہ وہ آریوں کی خدمت کرے اسے اپنی کمائی ہوئی دولت وجائیداد پر بھی کامل حقوق ملکیت حاصل نہیں ہے۔ قانون وراثت میں بھی منو نے اعلیٰ ذات والوں اور شودروں کے درمیان امتیاز رکھا ہے بعض حالات میں وہ شودر کو حق میراث سے بالکل محروم کردیتا ہے۔ انکی جان اور عزت کو قانون کی پناہ دینے میں حد درجہ بخل سے کام لیتا ہے اور انکے مقابلے میں آریوں کے حقوق کی تعیین وتحفظ میں منو نے اتنی فیاضی برتی ہے کہ شودروں کی آئینی حیثیت بالکل صفر کے برابر رہ جاتی ہے۔ منو سمرتی کے چند فقرے ملاحظہ ہوں "اگر برہمن کسی بلی یا نیولے یا چوہے یا مینڈک یا کتے یا الو یا کوے کو مار ڈالے تو اس کا وہی کفارہ ہے جو شودر کو مارنے پر مقرر کیا گیا ہے۔ (۱۱: ۱۳۲)

ایک شودر اگر آریہ کی شان میں گستاخی کرے تو انکی زبان کاٹ دی جائے کیونکہ وہ برہما کے حصہ اسفل سے پیدا ہوا ہے۔ (۸: ۲۷۰)

اگر وہ ان کا نام اور انکی ذات کا نام لے کر توہین کرے تو دس انگل لوہے کی سلاخ آگ میں سرخ کرکے انکے حلق میں اتار دی جائے۔ (۸: ۲۷۱)

یہ ہے ہندو دھرم میں ذات پات کا نظام اور ہر طبقے کے فرائض ووظائف۔

فقہ وفتاوی

ابوارقم فلاحی

کیا قرآن خوانی کرنا جائز ہے؟

جواب: جمہور حنفی اور حنبلی فقہاء اور بعض شوافع ومتاخرین مالکی فقہاء کے نزدیک میت کے لئے قرآن خوانی کرنا اور قرآن کریم کے ثواب کو ہدیہ کرنا جائز ودرست ہے۔ البتہ شوافع کے نزدیک مستند روایت کے مطابق اور متقدمین مالکیہ کے نزدیک قرآن خوانی کرنا اور اس کا ثواب میت کے حق میں ہدیہ کرنا جائز نہیں ہے۔

سوال: کیا دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورہ پڑھنا جائز ہے؟

جواب: دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورہ کو پڑھنا جائز ودرست ہے۔ بخاری شریف میں ہے "عن أبي سعيد الخدري " أن رجلا سمع رجلا يقرأ قل هوالله احد يرددها فلما أصبح جاء الى النبي فذكر له ذلك فكأن الرجل يتقالها فقال رسول الله ﷺ والذى نفسي بيده انها لتعدل ثلث القرآن (بخاری، کتاب التوحید ۱۶۳ ج ۸)

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو قل ھواللہ احد کی سورہ نماز میں بار بار پڑھتے ہوئے سنا۔ صبح وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کا آپ ﷺ سے ذکر اس انداز میں کیا گویا وہ اس امر کو حقارت کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا اور اس سورہ کو معمولی حقیر سمجھ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے جواب دیا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے سورہ اخلاص ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ ابوداؤد کی ایک روایت ہے "روى عن رجل من جهينه أنه سمع النبي ﷺ يقرأ في الصبح اذا زلزلت في الركعتين كلتيهما فلا أدري أنسي رسول الله ﷺ أم فعل ذلك عمداً"۔

قبیلہ جہینہ کے ایک فرد روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی اکرم ﷺ کو صبح کی دونوں رکعتوں میں سورہ زلزال کی تلاوت کرتے ہوئے سنا البتہ مجھے یہ علم نہیں ہوسکا کہ آپ ﷺ نے یہ تلاوت عمداً کی تھی یا بھول گئے تھے۔

بعض روایتوں میں صبح کی دونوں رکعتوں میں آپ ﷺ سے دونوں معوذتین پڑھنا بھی ثابت ہے۔ (المغنی ۱/۵۶۹) ☆☆

جامعۃ الفلاح کے قیام کے اسباب و محرکات

☆ قصبہ بلریا گنج ضلع اعظم گڑھ کے شمالی حصہ میں ایک ایسی بستی ہے جسے کئی پہلوؤں سے مرکزیت حاصل ہے۔ جب مسلمانوں کے اندر جدید دینی تعلیم کے سلسلے میں بیداری آئی اور جگہ جگہ مکاتب کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا، بلریا گنج کے مسلمانوں نے بھی ابتدائی دینی تعلیم کے لئے مکتب کے قیام کا فیصلہ کیا۔ ۱۹۴۲ء میں علی احمد خان مرحوم اور منشی لال محمد مرحوم کی جدو جہد اور اہل قریہ کے تعاون سے جناب ولی خان مرحوم کے مکان میں مدرسہ اسلامیہ کے نام سے درجہ دوم تک کا ایک مکتب قائم ہوا۔ لیکن یہ خواہش کم و بیش ہر جگہ پائی جاتی ہے کہ مکتب ترقی کرے، پھلے پھولے، آگے کے درجات کھلیں اور دینی تعلیم کا رواج ہو۔ کہیں یہ خواہش برگ و بار لاتی ہے اور کہیں سینوں میں دب کر رہ جاتی ہے۔ ایک مرحلہ میں اہل بلریا گنج کی خواہش رنگ لائی۔ اللہ تعالیٰ کو بستی والوں کی لگن پسند آئی، اس نے حالات موافق بنایا اور ۶۲ء میں مکتب ترقی کر کے جامعہ بن گیا۔

☆ جماعت اسلامی ہند کے قیام کے بعد اس کی فکر کو عام کرنے کی کارکنوں کے اندر والہانہ تڑپ تھی۔ اشرف پور کے مولوی جنید احمد صاحب نے بلریا گنج کو نشانہ بنایا اور مسلسل کوششوں کے نتیجہ میں بلریا گنج میں جماعت کے کارکنان اور ہمدردوں کی ایک ٹیم وجود میں آگئی۔ رفقائے جماعت تحریکی فکر کے فروغ اور بچوں کے اندر دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کے لئے درسگاہ کے قیام کے آرزومند ہوئے ہیں۔ چونکہ مولانا مودودیؒ جنھوں نے زندگی کے جملہ امور پر گراں قدر انقلابی رہنمائی فرمائی ہے۔ تعلیم کے موضوع پر بھی آپ نے صحیح اسلامی تصور کو دلائل کے ساتھ پیش فرمایا ہے۔ آپ نے واضح فرمایا کہ زندگی کے جملہ امور و معاملات کی طرح مسئلہ تعلیم میں بھی دین اور دنیا کی تفریق بے معنی ہے۔ ہم ایک کل کے طور پر تمام علوم مطلوب ہیں بشرطیکہ جدید عصری علوم کی بنیاد تصور الٰہ پر رکھی گئی ہو۔ اس پس منظر میں چونکہ درسگاہیں ناپید تھیں اس لئے بجا طور پر احباب جماعت کے اندر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ تعلیم کو صحیح اسلامی خطوط پر رواج دیا جائے۔ چنانچہ اس وقت کے مشرقی یوپی کے امیر حلقہ مولانا ملک حبیب اللہ صاحب، مولانا ابوبکر اصلاحی صاحب، حکیم محمد ایوب صاحب، ڈاکٹر خلیل احمد صاحب اور دیگر احباب جماعت نے ایک معیاری درسگاہ کے قیام کا منصوبہ بنایا اور اہل بستی کو ساتھ لے کر اس منصوبہ کی تکمیل کی جدو جہد کی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی مساعی کو شرف قبولیت بخشی اور خالص تحریکی طرز کا ادارہ جامعۃ الفلاح

کے نام سے معرض وجود میں آگیا۔

☆ معرکۂ حیات میں اصل کارفرما قوت اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی مشیت ہی ہے۔ وہ دور تھا جب کہ احباب جماعت اسلامی نقطۂ نظر سے ایک اعلیٰ تعلیمی ادارہ قائم کرنے کی کوشش میں مصروف تھے [illegible] بلریا گنج سے تعلق رکھنے والے مولوی محمد عیسیٰ صاحب مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور سے تعلیم مکمل کر کے وطن واپس آگئے۔ اب ان کی اور احباب جماعت کی مشترک خواہش ہوئی کہ گاؤں کے مکتب کو ترقی دی جائے اور عربی تعلیم کا سلسلہ بھی شروع کیا جائے۔ چنانچہ مولانا کا تقرر بحیثیت مدرس کیا گیا اور آپ نے عربی زبان کی ابتدائی کتابیں بھی داخل نصاب کیں۔ مگر باقاعدہ نصاب تعلیم اور نظام تعلیم مرتب نہیں ہو سکا تھا۔ یہ ۱۹۵۹ء تا ۱۹۶۰ء کا عبوری دور تھا۔ بلا اتفاق ایسا ہوا کہ مدرسۃ الاصلاح [illegible] احباب جماعت کی توجہ کا مرکز تھی، وہاں سے جماعتی فکر رکھنے والے اساتذہ و طلبہ کو الگ ہونا پڑا۔ مولانا عبد الحسیب اصلاحی صاحب جن کا وطن بلریا گنج کے قریب ہے، اصلاح سے الگ آگئے اور احباب جماعت کی خواہش پر بلریا گنج کے اس ادارہ میں ۲۷ اکتوبر ۱۹۶۱ء سے تدریس کا کام [illegible] لگے۔ آپ نے عربی نظام تعلیم کو نئے ڈھنگ سے مرتب کیا اور ایک مخصوص عربی نظام تعلیم کی داغ بیل ڈالی۔ مگر ۱۹۶۲ء کے وسط میں آپ کو اپنے ایک وعدے کے تحت جامعۃ الرشاد جانا پڑا۔ اب پھر ایک بار احباب جماعت کو موزوں فرد کی تلاش تھی چنانچہ مولانا عبد الحسیب صاحب کے جاری کردہ نظام تعلیم کو آگے بڑھانے کے لئے مولانا شبیر صاحب اصلاحی مدظلہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ موصوف ان دنوں ادریہ پور سیتا پور (بہار) میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ [illegible] ۱۹۶۲ء میں بلریا گنج تشریف لائے اور آپ نے مکتب اسلامیہ کا نام جامعہ اسلامیہ رکھ کر نئے عزم کے ساتھ کام شروع کیا۔ ۱۹۶۲ء کے آخری ایام میں مدرسہ کی انتظامیہ کے ایک فیصلے کے تحت ادارہ کا نام جامعۃ الفلاح رکھا گیا اور ۱۹۶۳ء کے اوائل میں باقاعدہ درجہ ششم (عربی اول) قائم ہوگیا۔

☆ ۱۹۶۳ء اس لئے قابل ذکر ہے کہ جامعۃ الفلاح کے مشن کو آگے بڑھانے میں اس سال ایک خصوصی کامیابی ملی۔ ۱۹۶۳ء کا عربی اول ۱۹۶۴ء میں عربی دوم ہو گیا۔ اور مدرسۃ الاصلاح سے آنے والے اساتذہ و طلبہ جنھوں نے پہلے مرحلے میں جامعۃ الرشاد کو مرکز بنایا پھر وہاں کی بات نہ بنتی دیکھ کر ۱۹۶۴ء میں بلریا گنج چلے آئے اور اسی سال ان نو واردان مہمانان رسول سے عربی سوم و عربی چہارم قائم ہو گیا۔

مقامی لوگ بتاتے ہیں وہ درمیانی مدت (۱۹۰۵ء تا ۱۹۱۰ء) جب جامعۃ الفلاح کی تعمیر واقع ہو رہی تھی، اسکول کے قیام کی مہم چلی۔ اہل بستی نے اس میں نہایت جوش و خروش سے حصہ لیا۔ اسکول کی عمارت کھڑی ہو گئی مگر قبل از وقت برسات شروع ہو جانے سے دورِ تعمیر عمارت زمین بوس ہو گئی۔ اس واقعہ نے اہل بستی کا رخ بستی کے مکتب کی طرف پھیر دیا اور لوگوں نے یکسو ہو کر مکتب کی تعمیر و ترقی پر اپنی توانائیاں جھونک دیں اور چند برسوں میں مکتب جامعہ کی شکل اختیار کر گیا۔

ان سارے واقعات پر غور کرنے سے نہایت واضح طور پر یہ تصویر ابھرتی ہے کہ بلریا گنج کے مکتب کو جامعہ بننے کے پیچھے اصل کارفرما قوت صرف اور صرف مشیت ربانی ہے۔ اس کے یہاں یہ فیصلہ ہو گیا تھا کہ بلریا گنج میں عظیم تحریکی و تعلیمی ادارہ بنے۔ اس نے یکے بعد دیگرے ایسے اسباب اکٹھا کر دیئے کہ نہایت سہولت سے یہ مرحلہ اپنے منطقی انجام کو پہنچ گیا۔

دوسرا سبب جماعت اسلامی سے وابستہ افراد کی سوچ، لگن، محنت اور قربانی ہے جس نے ایک قلیل مدت میں درجہ دوم مکتب کو جامعہ کی شکل دینے میں اہم رول ادا کیا ہے۔

تیسرا سبب بستی اور اطراف میں دینی تعلیم سے آراستہ ہو کر واپس آنے والے احباب ہیں۔ اس کے علاوہ مدرسۃ الاصلاح سے متاثر احباب کا جذبہ بھی ہے۔

مکتب اسلامیہ سے جامعۃ الفلاح تک

۱۹۱۳ء میں ولی خاں مرحوم کے مکان میں درجہ دوم تک ایک مکتب کھلا اور دو سال تک چلتا رہا۔

۱۹۱۶ء میں مدرسہ کے لئے مٹی اور کھپریل کی ایک عمارت تعمیر ہوئی۔ یہ عمارت موجودہ مسجد کی منزل کے جانب جنوب تھی۔ اس عمارت سے متصل ایک بڑا کا پیڑ تھا اور دوسری طرف ایک چھوٹا سا تالاب تھا جسے مڑیا بولا جاتا تھا۔ اس میں طلبہ تختی وغیرہ دھوتے تھے۔ ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۷ء تک منشی لال محمد صاحب بحیثیت استاد اور علی احمد خاں مرحوم بحیثیت منیجر خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۲۷ء میں علی احمد خاں مرحوم اپنے صاحبزادے حنیف خاں مرحوم کو مدرسہ کا ذمہ دار بنا کر حج کو چلے گئے اور وہیں وفات ہو گئے۔ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۵۲ء تک جناب محمد حنیف خاں مدرسہ کے منیجر رہے۔ ان کو عام طور سے منیجر صاحب ہی کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ ۱۹۵۲ء میں مدرسہ کا انتظام حاجی امانت اللہ کے سپرد کر کے حج کرنے چلے گئے۔ چند دنوں کے بعد حاجی عبدالمجید خاں مرحوم کو منیجر بنایا گیا۔ حاجی عبدالمجید خاں کے دور میں مکتب نے ترقی شروع کی اور جناب محمد اکرام صاحب بریہان کی نظامت کے دور میں جامعہ اسلامیہ جامعۃ الفلاح بنا۔

اس دوران متعدد اساتذہ نے بحیثیت مدرس مدرسہ میں تعلیم دی۔ مگر سب سے نمایاں نام مولوی محمد ادریس صاحب ہلالی پورہ کا ملتا ہے۔ موصوف نے ۱۹۳۲ء سے ۱۹۵۰ء تک ایک تسلسل کے ساتھ مدرسی خدمات دی ہے۔ اور مدرسہ کی تعمیر و ترقی میں ان کی خدمات کا بڑا دخل ہے۔ درمیانی مدت میں یا تو درجہ چہارم تک اردو فارسی اور عربی ناظرہ کی تعلیم کا انتظام تھا۔ ایک مرحلہ میں محکمہ تعلیم کے ڈپٹی انسپکٹر جناب عبدالمتین صاحب نے مشورہ دیا کہ گاؤں میں سرکاری اسکول کی موجودگی میں یہاں درجہ دوم تک تعلیم کا انتظام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ درجہ دوم میں اردو کتب چھاپے اور اردو فارسی کے ساتھ حساب وغیرہ بھی پڑھا دیئے جائیں۔ اس کے بعد بچے سرکاری اسکولوں میں داخلہ لے لیا کریں گے۔ اس طرح مکتب کی نہ صرف ترقی رک گئی بلکہ چند درجات توڑ دیئے گئے۔

۱۹۵۲ء تک یہ ادارہ مدرسہ اسلامیہ، مکتب اسلامیہ یا مکتب امدادیہ کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ درجہ دوم تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد بچے سرکاری اسکول میں داخلہ لیتے رہے۔ اس دوران اساتذہ کی تقرری، نقدی کی فراہمی، درسی کتب وغیرہ تمام انتظامی امور میں منیجر کو کلی اختیارات حاصل تھے۔ سال میں ایک بار پریل یا مئی میں سالانہ گوشوارہ آمد و صرف گاؤں کی عمومی پنچایت میں پیش ہوا کرتا تھا۔

۲۰ جولائی ۱۹۵۲ء اس اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے کہ اس تاریخ کو پورے گاؤں کا ایک عام اجلاس ہوا۔ گاؤں کے ۵۲ افراد کو خصوصی دعوت دی گئی۔ دعوت نامہ مولوی محمد ابراہیم کے دستخط سے جاری ہوا اور اس اجلاس میں چند اہم فیصلے ہوئے:

(۱) ادارے کا ایک مختصر دستور منشی محمد نوچندار صاحب کے ہاتھوں کا مرتب کیا ہوا منظور ہوا۔
(۲) ادارے کا نام مکتب اسلامیہ/مکتب امدادیہ کے بجائے مدرسہ اسلامیہ رکھا گیا۔
(۳) عبدالمجید خاں مرحوم کو باقاعدہ ناظم منتخب کیا گیا۔
(۴) تنظیمی و تعلیمی امور کی انجام دہی کے لئے انتظامیہ کمیٹی اور تعلیمی کمیٹی کی تشکیل ہوئی۔
(۵) درجہ سوم کھولنے کا فیصلہ کیا گیا۔

اسی طرح ۱۹۵۳ء میں درجہ سوم ۱۹۵۴ء میں درجہ چہارم ۱۹۵۵ء میں درجہ پنجم قائم ہوا۔ اسی سال درجہ پنجم پاس کر کے پہلا بیچ فارغ ہوا۔ ادارہ کے پہلے مرحلہ کی اس ترقی میں مولوی خلیل محمد صاحب غازی پور، مولوی محمد ادریس صاحب ہنگائی پور، مولوی حمید اللہ صاحب جھٹپور، مولانا عبدالرؤف صاحب تاکی مبارک پور، ماسٹر محمد احمد صاحب بلریا گنج، منشی محمد نور صاحب بلریا گنج کا نام

بحیثیت معلم قابل ذکر ہے۔

ان حضرات نے تدریس کے ساتھ ساتھ طلبہ اور اہل بستی کے اندر تحریکی شعور پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ہفتہ وار اجتماعات ہونے لگے۔ طلبہ جامعہ کے باہر بھی تقریریں کرنے لگے تھے۔

۱۹۵۹ء تا ۱۹۶۲ء یہ وہ جمہوری دور ہے جس میں مکتب نے عربی ادارے کی دہلیز پر قدم رکھا۔ پہلے غیر واضح، غیر مربوط عربی کتب کا اضافہ ہوا۔ رفتہ رفتہ شکل واضح ہوتی گئی۔ اور باقاعدہ نصاب نافذ ہوا۔ دسمبر ۱۹۶۲ء میں جامعۃ الفلاح نام رکھا گیا اور اگلے سال درجہ ہشتم کھولنے کا فیصلہ کیا گیا۔ گویا اسی دوران ۵۹ تا ۶۲ درجہ ششم اور ہفتم کا اضافہ ہوا۔ اسی مدت میں مولوی محمد حسن صاحب اور مولوی رحمت اللہ صاحب برائے دینی و عربی علوم اور ماسٹر جنید احمد صاحب اور شیخ محمد ادریس صاحب برائے جدید علوم تقرر ہوا۔ عربی، اردو، فارسی، ہندی، انگریزی، حساب، تاریخ و جغرافیہ، جنرل سائنس اور جلد سازی و باغبانی پر مشتمل جامع نصاب زیر عمل آیا۔ جماعت اسلامی کی تیار کردہ درسی کتب نصاب کے لئے منظور کی گئیں۔ اور درجہ پنجم تک ڈسٹرکٹ بورڈ سے الحاق بدستور قائم رہا۔

۱۹۶۰ء میں فیصلہ کیا گیا کہ ڈسٹرکٹ بورڈ سے الحاق ختم کر دیا جائے تاکہ ادارہ آزادانہ طور پر اپنی پالیسی کے مطابق کام کر سکے۔ اور حکومت کی بے جا مداخلت سے محفوظ رہ سکے۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ ۱۹۵۹ء میں باقاعدہ انتظامیہ کمیٹی اور تعلیمی کمیٹی بن گئی تھی۔ اب [illegible] مئی ۱۹۶۰ء کو جامعہ اسلامیہ کی جنرل میٹنگ اس وقت کے ناظم جناب حاجی عبدالمجید مرحوم کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اس اجلاس میں پہلی مجلس عاملہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ ۱۵ مئی ۱۹۶۰ء کے مجلس عاملہ کے اجلاس میں حاجی عبدالقدوس صاحب کو صدر، جناب محمد اکرام صاحب کو منیجر و خازن اور ڈاکٹر خلیل احمد صاحب کو سکریٹری مقرر کیا گیا۔

مجلس عاملہ کی ایک نشست ۲۸ مئی ۱۹۶۱ء کو منعقد ہوئی اور تین اہم قرار دادیں پاس کی گئیں:

[۱] ادارہ آزادانہ طور پر اپنی تعلیمی پالیسی اسلامی دائرہ میں متعین کرے گا۔

[۲] ایسا نصاب تعلیم زیر عمل لایا جائے جس سے طلبہ اسلام سے روشناس ہو سکیں۔

[۳] دس سال کی عمر تک لڑکیاں لڑکوں کے ساتھ تعلیم حاصل کر سکیں گی۔ اس کے بعد ان کو ہٹا دیا جائے گا اور ان کی تعلیم کا الگ بندوبست کیا جائے گا۔

۱۹۶۱ء میں مولانا عبدالحسیب صاحب تشریف لائے۔ جناب مرحوم [illegible] چند ماہ بعد موصوف کے جامعہ ارشاد چلے جانے پر ۱۹۶۲ء میں مولانا شبیر صاحب واپس آگئے۔ انہوں نے مدرسہ کا نام

[illegible] جامعہ اسلامیہ رکھا اور پھر چند ماہ بعد دسمبر ۱۹۶۲ء میں انتظامیہ نے فیصلہ کر کے جامعۃ الفلاح رکھا۔ جون ۱۹۶۳ء میں جناب افضل حسین صاحب مرحوم کی سرپرستی میں اساتذہ کا ایک تربیتی کیمپ ۱۵ روز کے لئے منعقد کیا گیا۔ اور اساتذہ کو جماعتی نہج پر تعلیم و تربیت کی ٹریننگ دی گئی۔

جامعۃ الفلاح کے وجود میں آنے کے بعد جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔ ۱۹۶۳ء میں درجہ ہشتم یعنی عربی اول قائم ہوا۔ جامعہ کے پہلے صدر مدرس مولانا شبیر احمد اصلاحی ہیں جو اوائل ۱۹۶۲ء میں جامعہ تشریف لائے اور پہلے ناظم کی حیثیت سے جناب محمد اکرام پردھان ہوئے۔ ۱۹۶۴ء میں عربی دوم تا عربی چہارم تعلیم ہونے لگی۔ ۱۹۶۵ء میں عربی پنجم قائم ہوا۔ ۱۹۶۶ء میں عربی ششم اور ۱۹۶۷ء میں تین طلبہ پر مشتمل پہلا فلاحی بیچ جامعہ سے تعلیم مکمل کر کے فارغ ہوا۔

دار الاقامہ اور مطبخ ۶۲ء کے اوائل میں جب مولانا شبیر احمد صاحب [illegible] تشریف لائے تو ان کے ساتھ چند طلبہ بھی آئے اور یہیں سے بورڈنگ کا نظم شروع ہوا۔ باہر کے طلبہ گاؤں میں رہنے لگے۔ گھر کھاتے اور قیام مدرسہ میں کرتے۔ ابتدا بیرونی بچوں کے کھانے کا نظم گاؤں کے اہل خیر حضرات کے یہاں کر دیا گیا۔ ۱۷ دسمبر کی انتظامیہ نے مطبخ کے قیام کا فیصلہ کیا اور اول ۱۹۶۳ء سے جب عربی اول قائم ہوا تبھی سے مطبخ کے زیر انتظام طلبہ کے کھانے کا انتظام شروع ہو گیا۔

۱۹۶۱ء میں موجودہ مودودی ہاسٹل کا پچھلا حصہ جس میں ایک ہال [illegible] کمرے تعمیر ہو چکے تھے۔ یہی پہلا دار الاقامہ اور پہلا دار التعلیم تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

تاریخ تعمیرات جامعۃ الفلاح:

[۱] [illegible] کھپریل کی پکی عمارت جو موجودہ مودودی منزل کے جانب جنوب واقع تھی۔ ۱۹۶۱ء

[۲] [illegible] مودودی ہاسٹل کا تحتانی حصہ جس میں ایک ہال، اس کے اطراف میں [illegible] کمرے اور ہال سے متصل دو چھوٹے کمرے ہیں۔ ۱۹۶۱ء۔ ۱۹۶۲ء

[۳] [illegible] عمارت شرقاً غرباً کھپریل کی جو حسن مسجد کے جنوب میں واقع تھی۔ ۱۹۶۳ء

[۴] مطبخ کے لئے [illegible] کھپریل کی پکی عمارت جو موجودہ کینٹین سمیت واقع تھی۔ ۱۹۶۵ء

[۵] [illegible] کا تحتانی حصہ جو پہلی باقاعدہ بورڈنگ کے لئے تعمیر ہوا۔ ۱۹۶۳ء۔ ۱۹۶۵ء

[۶] مسجد کی سنگ بنیاد اور تعمیرات کا آغاز۔ ۱۹۶۹ء

[۷] گاؤں میں پکی مسجد کے قریب واقع نسواں کی عمارت۔ (خرید ہوا مکان) ۹۳ء۔ ۱۹۹۵ء

۸	حسن البنا منزل کا بالائی حصہ اور مودودی منزل کا بالائی حصہ۔	۶۹ء و ۱۹۷۰ء
۹	چھوٹے بچوں کا دارالاقامہ طیبہ منزل۔	
۱۰	کلیۃ البنات نسواں کی تعمیر جدید (پرانی عمارت کی جگہ)	۷۵ء ۱۹۷۹ء
۱۱	دارالتعلیم طلبہ شعبہ عالی، شعبہ ابتدائی و ثانوی۔	۹۲ء ۱۹۹۵ء
۱۲	مولانا ابواللیث ہال کی تعمیر واقع درمیان دارالتعلیم طلبہ	۲۰۰۳ء
۱۳	کلیۃ البنات دارالتعلیم بیرونی عمارت جہاں فی الوقت قائم ہے۔	۹۰ء ۱۹۹۱ء
۱۴	حنفیہ منزل (گرلس ہاسٹل) بیرونی عمارت	۹۳ء
۱۵	جامعۃ الفلاح گیٹ کی تعمیر	۲۰۰۰ء
۱۶	مرکزی لائبریری کی تعمیر	۹۵ء
۱۷	ہاسپٹل کی عمارت	۹۹ء
۱۸	موجودہ مطبخ کچہریل اور ایشوں کی عمارت	۶۷ء
۱۹	زیر تعمیر عمارت برائے درسگاہ ابتدائی	۲۰۰۰ء
۲۰	مسجد کی توسیع	۹۹ء

جامعۃ الفلاح کے نظماء اعلیٰ:

نمبر شمار	مہتمم / ناظم	مدت	نام مدرسہ
۱ـ	جناب علی احمد خاں مرحوم	۱۳ء تا ۴۷ء	مکتب اسلامیہ، بھریا گنج
۲ـ	محمد حنیف خاں مرحوم	۴۷ء تا ۵۳ء	" " "
۳ـ	حاجی امانت اللہ صاحب	۵۳ء تا ۵۶ء	" " "
۴ـ	عبدالمجید خاں مرحوم	۵۶ء تا ۶۰ء	مدرسہ اسلامیہ، بلریا گنج
۵ـ	جناب محمد اکرام رحمان صاحب	۶۰ء تا ۶۳ء	مدرسۃ الاصلاح، جامعۃ الاصلاح، جامعۃ الفلاح
۶ـ	ڈاکٹر خلیل احمد صاحب	۶۳ء تا ۶۴ء	جامعۃ الفلاح، بلریا گنج
۷ـ	جناب عبدالحلیم صاحب	۶۵ء تا ۶۶ء	" "
۸ـ	ڈاکٹر خلیل احمد صاحب	۶۶ء تا ۱۳؍مارچ ۶۹ء	" "
۹ـ	مولانا جلیل احسن صاحب مرحوم	۱۳؍مارچ ۶۹ء تا ۱۳؍ستمبر ۶۹ء	" "
۱۰ـ	مولانا ابوبکر اصلاحی مرحوم	۱۳؍ستمبر ۶۹ء تا ۸؍نومبر ۷۲ء	" "
۱۱ـ	مولانا محمد عیسیٰ صاحب	۸؍نومبر ۷۲ء تا ۷؍دسمبر ۷۹ء	" "
۱۲ـ	مولانا ابواللیث اصلاحی صاحب	۸؍دسمبر ۷۹ء تا ۷؍نومبر ۸۱ء	" "

نمبر شمار	مہتمم / ناظم	مدت	نام مدرسہ
۱۳ـ	مولانا ابوالحسیب صاحب اصلاحی	۷؍نومبر ۸۱ء تا ۱۸؍اپریل ۸۲ء	جامعۃ الفلاح
۱۴ـ	مولانا محمد [illegible] اصلاحی صاحب	۱۸؍اپریل ۸۲ء تا ۲۳؍مئی ۹۰ء	" "
۱۵ـ	ڈاکٹر خلیل احمد صاحب	۲۳؍مئی ۹۰ء تا ۲۲؍جنوری ۹۳ء	" "
۱۶ـ	حاجی [illegible] صاحب	۲۲؍جنوری ۹۳ء تا ۲۷؍دسمبر ۹۵ء	" "
۱۷ـ	مولانا جلال الدین انصر عمری صاحب	۲۷؍دسمبر ۹۵ء تا ۱۹؍دسمبر ۹۹ء	" "
۱۸ـ	ڈاکٹر خلیل احمد صاحب	۱۹؍دسمبر ۹۹ء تا ۲۵؍مئی ۲۰۰۰ء	" "
۱۹ـ	مولانا ابوالبقاء صاحب ندوی	۲۵؍مئی ۲۰۰۰ء تا حال	" "

صدر مدرسین جامعۃ الفلاح:

نمبر شمار	صدر مدرسین	مدت
۱ـ	منشی لال محمد صاحب	
۲ـ	منشی محبوب خاں مرحوم	
۳ـ	مولوی محمد ادریس صاحب	
۴ـ	ماسٹر احمد اللہ صاحب	
۵ـ	مولانا شبیر احمد اصلاحی صاحب	۶۳ء تا ۶۴ء
۶ـ	مولانا خلیل احسن صاحب	۶۴ء
۷ـ	مولانا عبدالحسیب صاحب	۶۵ء
۸ـ	مولانا شہباز صاحب	۶۶ء تا ۶۹ء
۹ـ	مولانا عبدالحسیب صاحب	۷۱ء تا ۷۳ء
۱۰ـ	مولانا شبیر احمد اصلاحی صاحب	۷۳ء تا ۱۳؍اکتوبر ۷۷ء
۱۱ـ	مولانا عبدالحسیب صاحب	۱۳؍اکتوبر ۷۷ء تا ۲۴؍جنوری ۷۹ء
۱۲ـ	مولانا ابوبکر اصلاحی صاحب	۲۴؍جنوری ۷۹ء تا ۶؍فروری ۸۰ء
۱۳ـ	مولانا شبیر احمد صاحب اصلاحی	۶؍فروری ۸۰ء تا ۱۶؍ستمبر ۸۱ء
۱۴ـ	مولانا عبدالحسیب اصلاحی صاحب	۱۷؍ستمبر ۸۱ء تا ۲۰؍نومبر ۸۹ء
۱۵ـ	مولانا ابوبکر اصلاحی صاحب	۲۰؍نومبر ۸۹ء تا ۵؍مئی ۹۱ء
۱۶ـ	مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب	۱۲؍مئی ۹۱ء تا ۳۰؍اکتوبر ۹۳ء
۱۷ـ	مولانا رحمت اللہ اثری صاحب	۳۰؍اکتوبر ۹۳ء تا ۲۲؍جولائی ۹۵ء
۱۸ـ	مولانا عنایت اللہ سبحانی صاحب	۲۳؍جولائی ۹۵ء تا ۲۶؍دسمبر ۹۶ء
۱۹ـ	مولانا محمد طاہر مدنی صاحب	۲۶؍دسمبر ۹۶ء تا حال

بقیہ ص ۴۵

تعارف و تبصرہ

ابوعبدالرحمٰن عمار فلاحی

نام	علی گڑھ سے دیوبند تک (تعلیمی سفرنامہ)
از	ڈاکٹر کبیر رحمانی
ضخامت	۱۷۶ صفحات
قیمت	۷۰ روپے
ناشر	ایجوکیشنل اکاڈمی، اسلام پورہ جلگاؤں، ۴۲۵۰۰۱ مہاراشٹر

یوپی رابطہ کمیٹی نے جناب سید حامد صاحب (سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی و چانسلر ہمدرد یونیورسٹی دہلی) کی قیادت میں اپریل ۱۹۹۲ء میں مسلمانوں میں تعلیمی بیداری پیدا کرنے کے لئے ایک تعلیمی کارواں ترتیب دیا تھا جس میں ملک کے ممتاز ماہرین تعلیم، اہم تعلیمی اداروں کے ذمہ دار اور معزز علمی ہستیاں شریک تھیں۔ ڈاکٹر کبیر رحمانی صاحب کو بھی اس قافلہ میں خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا چنانچہ از اول تا آخر وہ اس کارواں کے ساتھ رہے بارہ دن تک یوپی کے اہم شہروں میں یہ کارواں گھومتا رہا۔ اس سفر کے دوران انھوں نے جو کچھ وہاں دیکھا، سنا یا معلومات یکجا کی اسے صفحۂ قرطاس پر منتقل کردیا جو ماہنامہ ''آموزگار'' کے خاص نمبروں کی شکل میں پہلے ہی منظر عام پر آچکا ہے اور اب کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ اس سفرنامے سے صرف کارواں کی روداد ہی سامنے نہیں آتی بلکہ یوپی کے مختلف شہروں کی تاریخ، تعلیمی اور سماجی و معاشی حالت، مساجد و مدارس کی کیفیت اور مسلمانوں کی پوزیشن پر روشنی پڑتی ہے۔ دوران سفر انھوں نے مختلف علمی، ادبی، مذہبی اور سیاسی شخصیات سے جو استفادہ کیا اس کے تذکرے نے اسے ''دستاویزی'' حیثیت عطا کردی ہے۔ دوران مطالعہ ان کی دردمندی اور ژرف نگاہی صاف جھلکتی ہے۔ لگتا ہے تحقیق و تجزیہ ان کی گھٹی میں پڑا ہے۔ جس کا اندازہ درج ذیل دو اقتباسات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

''مسلم یونیورسٹی میں مختلف سڑکوں کے نام اردو کے ممتاز ادیبوں کے نام سے منسوب ہیں

کسی کا نام شبلی روڈ ہے تو کسی کا مولانا حالی اور نذیر احمد، مگر یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ کسی بھی روڈ کا نام اردو میں تحریر نہیں، کیا اس سے سرسید احمد، حالی، شبلی، نذیر احمد کی روح کو تکلیف نہ پہنچتی ہوگی؟ جنھوں نے اپنی تمام زندگی اردو زبان و ادب اور تعلیم کے لئے وقف کردی۔ کیا مسلم یونیورسٹی میں کوئی ایسا اردو کا محب نہیں جو یونیورسٹی کے اس اردو دشمن رویے کے خلاف احتجاج کرے؟ اور یونیورسٹی سے مطالبہ کرے کہ شعبوں کے نام اردو میں تحریر کئے جائیں۔ تعلیمی کارواں کا ایک مقصد اترپردیش میں اردو زبان و تعلیم کی بقا کے لئے جدوجہد کرنا بھی تھا۔ مجھے امید ہے کہ یوپی رابطہ کمیٹی کے عہدیداروں اراکین نیز مسلم یونیورسٹی کے ارباب حل وعقد مسلم یونیورسٹی کی تمام سڑکوں، ہاسٹلوں، شعبہ جات، کالجوں کے نام انگریزی کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی تحریر کرکے پورے یوپی کے لئے ایک مثال قائم کریں گے۔'' (ص ۱۵، ۱۶)

''دارالمصنفین کی لائبریری کا وہ معیار نہیں جو خدابخش لائبریری پٹنہ کا ہے۔ یہاں اردو، عربی، فارسی اور انگریزی کی کتابوں کے علیحدہ علیحدہ شعبے ہیں۔ لیکن کافی بوسیدہ ہو چکے ہیں۔ [illegible]''

دوران سفر کارواں جامعۃ الفلاح بھی [illegible] ذکر خیر آیا ہے۔ ایک ماہر تعلیم کے [illegible] سے خالی نہ ہوگا۔ اس لئے اسے نقل کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے:

''[illegible]

عصریہ کی ایک قابل اعتماد تربیت گاہ ہے اس درس گاہ کا قیام ۱۹۵۹ء میں عمل میں آیا۔ یہ درس گاہ نہیں بلکہ اس کے وسیع کیمپس اور طلبہ وطالبات کو دیکھتے ہوئے اسے ایک اسلامی یونیورسٹی کہنا بجا ہے۔ یہاں قریب ساڑھے چار ہزار طلبہ وطالبات تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کے کسی دینی مدرسے میں طلبہ کی اتنی تعداد نہیں پائی جاتی۔ اس یونیورسٹی کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ اس میں طلبہ سے زیادہ طالبات کی تعداد ہے۔ لڑکوں کی تعداد (۲۱۰۰) ہے تو لڑکیوں کی تعداد (۲۳۰۰) ہے۔ یہاں مخلوط تعلیم نہیں۔ دونوں کی تعلیم کا نظم الگ الگ ہے۔ طلبہ کی طرح طالبات کے لئے بھی فضیلت کی تعلیم دی جاتی ہے۔

یہاں کے نصاب میں دینی اور دنیوی تعلیم کا بہترین امتزاج ملتا ہے لڑکوں کے لئے درجہ فضیلت تک مدت تعلیم ۱۵ سال جبکہ لڑکیوں کے لئے ۱۳ سال ہے۔ بیرونی طلبہ وطالبات کے لئے ہاسٹل کا انتظام ہے۔ جامعۃ الفلاح کی اسناد کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی اور لکھنؤ یونیورسٹی کے علاوہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، جامعہ ازہر قاہرہ، اور جامعۃ الامام محمد بن سعود ریاض نے تسلیم کیا ہے۔ اس جامعہ سے دس مدارس ملحق ہیں۔ یہاں کی لائبریری میں کتابوں کا کافی ذخیرہ ہے۔ ایک رسالہ حیات نو بھی یہاں سے نکلتا ہے۔ جامعۃ الفلاح کے ناظم مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی ہیں (یہاں موصوف سے سہو ہو گیا ہے مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی ابھی جامعۃ الفلاح کے ناظم نہیں رہے۔ البتہ صدر مدرس ضرور رہے ہیں۔)

مولانا نظام الدین اصلاحی سے میری پرانی شناسائی تھی۔ وہ ایک زمانہ میں پونا کے ٹیچرز ٹریننگ کالج میں استاد تھے۔ انھوں نے جامعہ کے بارے میں مفید تعارفی لٹریچر دیا اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں دینی وعصری تعلیم کو ایک یونٹ کی حیثیت سے پڑھانے کا جو تجربہ کیا گیا ہے وہ نہایت کامیاب تعلیمی تجربہ ہے اور دوسرے دینی مدارس کے لئے مشعل راہ ہے۔ جامعۃ الفلاح کا پورا نظام تعلیم وتربیت قرآن وسنت کے مساق پر استوار ہے یعنی تمام علوم قرآن وسنت کی روشنی میں پڑھائے جاتے ہیں۔ یہاں کے نصاب کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ دینی وعصری تعلیم کی تفریق کو ختم کر کے پوری تعلیم کو ایک یونٹ بنا دیا گیا ہے۔ اسکے بڑے اچھے نتائج برآمد ہوئے ہیں آج علوم اسلامیہ کے شعبوں میں ادب وصحافت، طب وحکمت میں اور احیائے دین کی کوشش کرنے والوں میں

ندویوں اور اصلاحیوں کے ساتھ فلاحیوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔" (ص ۱۱۹۔۱۲۰)

جناب موصوف نے بہت سی اچھوتی معلومات بھی فراہم کی ہیں جن میں بہت سے نئے گوشے بھی سامنے آتے ہیں مثلاً "قنوج میں مسلمانوں کی تعلیمی حالت" کے ذیلی عنوان کے تحت وہ رقمطراز ہیں: "ہندوستان کے متعصب ہندو مورخوں نے "جزیہ" کے لئے مسلم حکمرانوں کے خلاف شدید غم وغصے کا اظہار کیا ہے لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ مسلم حکمرانوں سے پہلے ہندو حکمرانوں نے جزیہ لینا شروع کر دیا تھا۔ ممتاز مورخ ڈاکٹر [illegible] نے یہ انکشاف کیا ہے کہ راجہ چندر نے جزیہ کا قانون رائج کیا۔ وہ لکھتے ہیں "اگر چہ قنوج [illegible] غوری نے [illegible] لیکن جے چندر کے وارث اتمش کے وقت تک اس شہر پر حکمراں رہے۔ وہ مسلمان شہریوں سے ایک طرح کا جزیہ لیتے تھے جسے "ترشکا ڈنڈ" کہا جاتا تھا۔" ([illegible] ص ۱۱۹)

آخر میں یہ شکوہ کے [illegible] [illegible] ناقص کیوں ہے کہ کہیں کہیں پڑھنا دشوار ہو جاتا ہے۔ [illegible] ہوگی۔ ☆☆

بقیہ کل ونہار

اعلان عام:

دفتر تعلیمات سے موصول خبر کے مطابق [illegible] تعلیم کا آخری دن ہوگا۔ ۱۳ اکتوبر بروز شنبہ کو تحریری امتحان کا آغاز ہوگا۔ [illegible] تحریری پرچہ ہوگا۔ ۱۲ نومبر بروز دوشنبہ ان شاء اللہ نتائج کا اعلان ہوگا۔ ۲۹ شعبان ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۳ نومبر بروز سہ شنبہ تا ۵ شوال مطابق ۲۱ دسمبر بروز جمعہ تعطیل کلاں ہوگی۔ ۹ شوال ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۲۰۰۱ء بروز دوشنبہ نئے تعلیمی سال کا آغاز ہوگا۔

بقیہ جامعۃ الفلاح کے قیام کے اسباب ومحرکات:

مرحلہ دستور کے مطابق صدر کے جملہ اختیارات محدود ہوگئے اور [illegible] کی رہ گئی۔ وسیع اختیارات مہتمم تعلیم وتربیت کو تفویض کیے گئے۔

مہتمم تعلیم وتربیت:

۱	مولانا محمد انیب صاحب	۶۲/۱۲/۱۱ تا ۹۸/۱۲/۳
۲	ڈاکٹر خلیل احمد صاحب	۹۸/۱۲/۳ تا ۹۹/۱۰/۱۹
۳	مولانا [illegible]	۹۹/۱۰/۱۹ تا حال

لیل و نہار

ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی صاحب کا

جامعۃ الفلاح میں خطاب عام!

۱۹؍ ۲۰۰۱ء کو مسجد جامعہ میں طلبہ و اساتذہ سے ڈاکٹر صاحب نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "آپ لوگوں کو بہترین موقع ملا ہے اس کی قدر کریں۔ ان نوجوانوں سے زیادہ استفادہ کریں جن کو قرآن و سنت کا علم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا، مغرب کی چمک دمک سے متاثر نہ ہوں۔

جامعہ کے امتیازات:

۱: ملت کے تحفظ کے لئے ایسے افراد کی تیاری جو اسلامی اقدار، اصول اور تہذیب و شعائر کو محفوظ رکھیں۔

۲: دین کی دعوت اور اس کی اقامت کے لیے افراد کی تیاری، یہ اہم امتیازی مقصد ہے اس جامعہ کا۔ یہ صرف تحفظ نہیں بلکہ اقدام ہے۔ اس کے لیے دین کا شعور بھی لازمی ہے۔ اور ملی امراض سے دور رہنے کی ضرورت ہے مثلاً مسلکی تشدد، عدم برداشت، اور گروہ بندی، عجب رائے۔

یہ ادارہ وسیع النظر، وسیع الظرف اور اولوالعزم نوجوانوں کی تیاری کے لئے بنایا گیا جو پورے شعور کے ساتھ...... اعلائے کلمۃ اللہ کا کام کر سکیں۔ بدقسمتی سے پوری دنیا میں ایسے اداروں کی شدید کمی ہے۔ اس لیے اس ادارے کے اس کردار کا تحفظ ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

چند دیگر امور جو توجہ طلب ہیں۔

الف: اسلام کے خلاف جو سازشیں ہو رہی ہیں وہ بیشتر عارضی ہیں۔ تاریخ عالمیہ اور روس کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اور اب امریکہ بھی زوال پذیر ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس وقت اصل ہدف اسلام ہے اس لئے جو تحدیات عصر ہیں ان سے باخبر رہیں۔

اس کے لیے آپ دیکھیں کہ فکری سطح پر کیا چیلنجز ہیں۔ اس وقت علم کا انفجار ہے جو محیر العقول ہے۔ حالانکہ یہ علم کا نہیں بلکہ معلومات کا معاملہ ہے کیونکہ علم تو حق و باطل میں امتیاز کی

صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ صحیح علم کا تصور پیش کرنا آپ کے سامنے ایک چیلنج ہے۔ آپ جو علم یہاں حاصل کر رہے ہیں یہ اطلاعات کا نہیں بلکہ باخبری کا ہے اور دنیا کو اس کی ضرورت ہے۔

ب: گلوبلائزیشن کا چیلنج: جو ساری توجہ مادی ضروریات پر دیتا ہے۔ اس کی ایک مثال آبادی پر کنٹرول کی تحریک ہے۔ یہ فکری سطح پر ایک بڑا چیلنج ہے جو مادیت اور لذت پسندی کو فروغ دے رہا ہے۔ اس کا ادراک آپ ہی کو کرنا ہے۔ تیاری کی ابتدا آپ کو یہیں سے کرنی ہے۔

متعدد وجوہ سے اس وقت دنیا علم سے زیادہ اخلاق کی محتاج ہے۔ باکردار انسانوں کی ضرورت ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم قال اللہ اور قال الرسول کا ورد کرتے رہتے ہیں لیکن ہمارے اخلاق میں اس کی خوشبو نہیں۔ دنیا میں غلبہ کے لیے اصل فیصلہ کن طاقت کردار ہے۔

"کم من فئة قليلة غلبت فئة......" "فالف بين قلوبكم" اس لیے اس پر توجہ کی اشد ضرورت ہے۔

علم و بصیرت کے ساتھ اسلامی اخلاق سے آراستہ ہوں، اس سلسلے میں اپنی انفرادی ذمہ داری کو محسوس کریں اور انفرادی و اجتماعی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔

جامعۃ الفلاح ویب سائٹ پر:

ناظم شعبہ رابطہ عامہ نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ انٹرنیٹ کے بڑھتے ہوئے [illegible] ضروری ہو گیا تھا کہ جامعۃ الفلاح جیسے اہم ملی شہرت یافتہ تعلیمی ادارے کی معلومات [illegible] فراہم کر دی جائیں، چنانچہ ایک فیصلہ کے تحت جامعہ کے ویب سائٹ کے لئے جگہ مخصوص کرا دی گئی ہے اور معتبر ضروری معلومات ترتیب دینے کا سلسلہ جاری ہے۔

انہوں نے بتایا کہ جامعہ سے فارغ ہونے والے طلبہ و طالبات کی بڑی تعداد بیرون ملک میں مصروف کار ہے، چونکہ تمام فارغین کے موجودہ [illegible] ہے۔ جیسے [illegible]

جامعہ کو درج ذیل [illegible] www.jamiatulfalah.com

مولانا مودودی سیمینار کی تیاریاں جاری:

سیمینار کمیٹی کے کنوینر مولانا مقبول احمد صاحب کے بیان کے مطابق سیمینار کی تیاریاں جاری ہیں۔ شرکاء کی فہرست مکمل ہو گئی ہے۔ مرکزی اور ذیلی عناوین زیر ترتیب ہیں جلد ہی سیمینار کے ابتدائی خاکہ کا اعلان کر دیا جائے گا۔ تفصیلات ویب سائٹ پر مہیا ہوں گی۔

ایس آئی ایم کے تین ممبران جامعہ سے گرفتار:

یہ خبر ہمیں بڑے دکھ اور درد کے ساتھ دینی پڑ رہی ہے کہ ایس آئی ایم پر پابندی کے تحت جامعہ سے درج ذیل طلبہ کو گرفتار کیا گیا ہے۔ ارشد ... عبد الانور ندوی اور عبد الرشید ... اور ... حبیب احمد ... ان کی گرفتاری پر طلبہ نے مقامی انتظامیہ کے سامنے زبردست احتجاج کیا۔ قریب وجوار کے مواضعات میں بھی اس گرفتاری کے خلاف زبردست غم وغصہ پایا جا رہا ہے۔ ذمہ داران جامعہ ان طلبہ کی رہائی کے لئے برابر کوشاں ہیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ... طلبہ کو استقامت کی راہ پر گامزن رکھے اور اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ میں آنے والی مصیبتوں کو برداشت کرنے کی توفیق بخشے کہ دین حق کی راہ میں آنے والے مصائب وآلام پر صبر درجات کی بلندی اور خوشنودی رب کے حصول کا ذریعہ ہے۔

...اور کارواں بنتا گیا:

اواخر اگست میں جناب مولانا عبد المعید صاحب قاسمی کی ہمہ وقتی نگراں کی حیثیت سے تقرری عمل میں آئی ہے، موصوف تعلیم وتربیت کا طویل تجربہ رکھتے ہیں۔ آپ میرٹھ درسگاہ، مارکی درسگاہ اور رحمانیہ ماڈل اسکول جے پور کے صدر مدرس رہ چکے ہیں۔ ایک عرصہ تک اسلامی ہائر سکنڈری اسکول ٹونک راجستھان میں معلم دینیات کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دے چکے ہیں۔

بڑی خوشی ہو رہی ہے کہ موصوف روحانی تعلیم وتربیت کے ساتھ جسمانی اصلاح کا بھی طویل تجربہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے میرٹھ سے گریجویشن میڈیسن ورجری کا کورس کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی صلاحیتوں سے جامعۃ الفلاح کی ہمہ جہتی ترقی کا کام لے۔ آمین یارب العالمین۔

جامعہ میں انٹرکام:

جامعہ کے جملہ شعبہ جات جلد ہی انٹرکام سے جڑ جائیں گے۔ ایک عرصے سے جامعہ

کے مختلف شعبوں سے رابطہ کے لئے انٹرکام کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ محمد اللہ انجمن طلبہ قدیم مبارکپور یونٹ نے مصارف کی ذمہ داری لے لی ہے اور کام شروع کر دیا گیا ہے۔

...ادارہ بھی سوگوار ہے:

ماں کا وجود انسان کے لئے دنیا میں خدا کی رحمت کا سایہ ہوتا ہے۔ زندگی کی کڑی دھوپ میں ماں کی وہ شفقت ... اس طرح زندگی کے سفر میں ہر ہر قدم پر مسلسل اس کی دعاء رحمت کی احتیاج سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ اسلئے جب ماں اس سے جدا ہوتی ہے تو ... ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زندگی کے ... ختم ہو گئی ہے۔

بڑے دکھ اور درد کے ساتھ ہمیں یہ خبر دینی پڑ رہی ہے کہ ... محترم مولانا رئیس احمد خان صاحب کی والدہ ... اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔ ... پر آپ ... دیکھ کر ... ہر ... صبر و شکر ہی مومن کی شان ہے۔ اسلئے ہم ان کی تلقین کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ ان کو صبر و شکر کے ساتھ دنیا میں خوش رکھے اور والدہ مرحومہ کو اپنی رحمت کے گوارے میں شاداں و فرحاں رکھے۔ آمین۔

یہ خبر بھی ہمارے لئے ... رنج و غم ہوئی کہ جامعہ کے دیرینہ ... خیر خواہ جناب حاجی ... صاحب ... (۲۰) اکتوبر ۲۰۰۱ء بروز جمعرات انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم صوم وصلوٰۃ کے پابند نہایت منکسر المزاج اور راہ حق میں فراخ دلی کے ساتھ خرچ کرنے والے تھے۔ آپ کو جامعہ ... سے ... لگاؤ تھا اور ہر طرح سے تعاون فرماتے تھے۔ قرآن کریم کی تعلیمات کو عام کرنے اور تعلیم نسواں کی ترقی سے خاص شغف تھا اور ان مدوں میں خاصی رقم خرچ کرتے تھے اور ... دلچسپی رکھتے تھے ... آپ کی کمی محسوس کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہے کہ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ آمین

یہ ... خبر بھی ... متعلقین جامعہ ... [illegible]

سابق خازن ... جناب حاجی عبد ... صاحب ... [illegible]

... صاحب کی والدہ محترمہ ... [illegible]

... [illegible]

... [illegible]

... [illegible]